ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۹
جلد: ۳۵ ، شمارہ: ۳

جمادی الآخرۃ ۱۴۳۸ھ = مارچ ۲۰۱۷ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	محمد ابوالقاسم فاروقی	۵
۴-سعادت وشقاوت کے بیچ.....	ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید	۱۵
۵-زکاۃ کے احکام ومسائل	ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی	۲۴
۶-اسماء وصفات باری پر تدبر.....	نسیم اختر عبدالمجید سلفی	۳۰
۷-صحافت کی اہمیت وضرورت	عبداللہ صابر	۳۲
۸-طلاق ایک ناپسندیدہ عمل	عبدالغفار جلیسری	۳۸
۹-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۲
۱۰-اخبار جامعہ	شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ	۴۳
۱۱-تبصرہ	ناظر انور	۴۵
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں

جو جیسا بوئے گا ویسا ہی کاٹے گا

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (سورہ آل عمران:۱۸۵)

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم کو (تمہارے اعمال کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر جو شخص آگ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے وہی دراصل کامیاب ہے۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو بس دھوکہ کا سامان ہے۔

اس دنیا میں انسان کی زندگی کی ایک حد ہے، جس کے بعد اس کو موت سے دوچار ہونا ہے۔ موت سب کو آتی ہے۔ ﴿كل من عليها فان﴾ (الرحمٰن:۲۶) اس زمین پر موجود ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔ ﴿أينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة﴾ (سورہ نساء:۷۸) تم کہیں بھی رہو تم کو موت آ کر رہے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں رہو۔ ﴿وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد أفان مت فهم الخالدون﴾ (سورہ انبیاء:۳۴) آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہم نے ہمیشگی نہیں رکھی تو کیا اگر آپ مر جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے۔

موت ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ بڑا سے بڑا ہسپتال بن جائے، عمدہ سے عمدہ دوا ایجاد ہو جائے، ماہر سے ماہر ڈاکٹر آ جائیں، ہر طرح کے آلات مہیا ہوں، ایسے میں کسی کی آخری گھڑی آ جاتی ہے تو اس وقت انسان کی طاقت وعیاری سمجھ میں آتی ہے اور جس وقت ہر ڈاکٹر وطبیب اپنی لاچاری ظاہر کر دیتے ہیں اس وقت انسان کو اپنی دولت اور اثر ورسوخ کی قیمت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ایسے حالات میں ہر طرح کی آسائش ووسائل ہوتے ہوئے بھی انسان بے بس ولاچار ہو جاتا ہے۔ پھر بھی غور نہیں کرتا کہ وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے، جس کو چھوڑ کر ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے، جس کو ہم موت کہتے ہیں اور جس سے کسی کو مفر وچھٹکارا نہیں ہے۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ (سورہ ملک:۱-۲) بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔

موت کے بعد کی زندگی دنیاوی اعمال کے بدلہ پانے کی جگہ ہے، یہاں جو جیسا بوئے گا دوسری زندگی میں ویسا ہی پھل پائے گا۔

ہم کو پیدا کرنے والا ہی ہمارا حساب لے گا۔ اس حقیقت کو اللہ نے بیان کیا ہے: كما بدأكم تعودون (سورہ اعراف:۲۹) تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا ہے تم دوبارہ پیدا ہو گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

درس حدیث

خوشبو: دبستان سنت میں

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنَيَّ فِي الصَّلَاةِ. (مسند احمد (۳/۳۸۵)، سنن النسائی ح:۳۳۹۱، حسن، التلخیص الحبیر :۳/۱۱۶)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دنیا کی تین چیزوں کو میرے لئے محبوب بنادیا گیا ہے، عورت، خوشبو اور نماز میرے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادی گئی۔

خوشبو کا لفظ کان میں پڑتے ہی ایک سرور آمیز احساس جاگ اٹھتا ہے اور کیوں ایسا نہ ہو، کسے خوشبو پسند نہیں، ہاں جس کی فطرت سلیم نہ ہو۔

اسلام دین فطرت ہے اس نے انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کی تکمیل کی ترغیب دی ہے۔ خوشبو استعمال کرنے کا بھی حکم دیا گیا بلکہ اسے جمعہ وجماعات کے شرعی آداب میں شمار کیا گیا۔ فرمان نبوی ہے: "حق لله على كل مسلم أن يغتسل في كل سبعة أيام يغسل رأسه وجسده" (صحیح مسلم:۸۴۹) اللہ کے لئے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر سات دن پر غسل کرے اور اپنے سر اور بدن کو دھوئے۔ مسلم (۸۴۶) کی دوسری روایت میں ہے: "ويمس من الطيب ما قدر عليه" اور جو خوشبو میسر ہو اسے لگالے۔ مساجد میں ایسی چیزوں کو کھا کر جانے سے منع کیا گیا ہے جس کی بو ناپسندیدہ ہے جیسے کچی پیاز، لہسن وغیرہ اور اس کی علت یہ بیان کی گئی: فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم" (صحیح مسلم:۵۶۴) فرشتے بھی ان چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں جن سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔ مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو خوشبو انسانوں کو پسند ہے وہ فرشتوں کو بھی پسند ہے اس لئے مساجد میں آتے جاتے وقت دیگر نمازیوں کے ساتھ ان کا خیال رکھا جائے۔ احادیث میں مساجد کو معطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے: "أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور وأن تنظف وتطيب" (ابوداود: ۴۵۵، یہ روایت صحیح ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ انہیں صاف ستھری اور معطر رکھا جائے، مساجد کو معطر رکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں آنے جانے والا معطر رہے۔

عطر پسندی انسان کے جمالیاتی ذوق کا مظہر ہے، عطر نفس کو فرحت بخشتا ہے، اعضاء کو لذت ونشاط فراہم کرتا ہے، احباب ورفقاء کی ضیافت طبع کرتا ہے اور بقول علامہ ابن القیم بدروحوں سے حفاظت کا سامان بھی ہے۔

اس روئے زمین کے سب سے نفیس انسان محمد ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ جب

آپ کوخوشبو پیش کی جاتی تھی تو اسے قبول فرمالیتے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرد الطيب" اللہ کے رسول ﷺ خوشبو رد نہیں فرماتے تھے۔(سنن ترمذی:۲۷۸۹،صحیح سنن ترمذی:۲۲۴۰)

آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی اس بات کی تعلیم دی ہے: "من عرض عليه طيب فلا يرده فإنه خفيف المحمل، طيب الرائحة" (مسلم (۲۲۵۳) سنن نسائی: (۵۲۶۱) واللفظ لہ) جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اسے رد نہ کرے اس لئے کہ یہ بو کے اعتبار سے عمدہ اور وزن کے اعتبار سے ہلکا ہدیہ ہے۔

مرد وزن دونوں کی جسمانی ساخت اور طبیعتیں الگ الگ ہیں اس لئے خوشبو استعمال کرنے کے حکم میں دونوں کے درمیان تفریق کردی گئی۔ مرد مردانہ شان و وقار کا حامل ہے جبکہ عورت صنف نازک ہے، بناؤ سنگار اس کی فطری ضرورت ہے اس لئے طیب کے ایسے انواع واقسام کو اس کے لئے شروع کیا گیا جو اس کی ضرورت کی تکمیل کرسکیں۔ فرمان نبوی ہے: "طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفي لونه وطيب النساء ما خفي ريحه وظهر لونه" (سنن ترمذی:۲۷۸۷،صحیح سنن ترمذی:۲۲۳۸)

مرد کی طیب (خوشبو) وہ ہے جس کی بو ظاہر اور رنگ پوشیدہ ہو اور عورت کی جس کا رنگ ظاہر ہو اور بو پوشیدہ ہو (یعنی کم ہو یا نہ ہو)

اس کی مثال مہندی، زعفران یا خلوق سے دی جاسکتی ہے جو جلد کو نکھارتی اور حسن ورعنائی کو دوبالا کرتی ہے۔ اسی لئے عورتوں کو اس سلسلہ میں احتیاط سے کام لینا چاہئے مردانہ خوشبو ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے سوائے اس وقت جب وہ اپنے شوہر کے پاس ہوں اس لئے کہ خوشبو شہوت کو بھی بھڑکاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "كل عين زانية، والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية" (سنن ترمذی:۲۷۸۶،صحیح سنن ترمذی:۲۲۳۷) ہر آنکھ زنا میں ملوث ہوتی ہے اور عورت جب خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ بھی ایسی ایسی ہے یعنی بدکار ہے۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ خوشبو لگا کر گزرنے کی وجہ سے وہ راستے پر موجود لوگوں کی شہوت کو بھڑکانے کا ذریعہ بنتی ہے، لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہیں اور آنکھ کا زنا دیکھنا ہے گویا اس کا سبب بننے کی وجہ سے اسے زانیہ کہا گیا ہے۔

اور اگر کوئی عورت مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے خوشبو لگا کر آتی ہے تو اس کے لیے سخت وعید ہے: "لا يقبل الله صلاة إمرأة تطيبت للمسجد حتى تغتسل عنها من الجنابة" (سنن ابوداود:۴۱۷۴، یہ روایت صحیح ہے) اللہ کسی ایسی عورت کی نماز قبول نہیں کرتا جو مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگاتی ہے یہاں تک کہ وہ جنابت کے غسل کی طرح اس سے غسل کرلے۔

موجودہ دور میں عطریات کے ساتھ ساتھ پرفیوم کے استعمال کا چلن بھی عام ہوگیا ہے۔ قیمت کے اعتبار سے سستا، بازار میں عام اور بو کے اعتبار سے زیادہ زود اثر ہوتا ہے لیکن چونکہ اس میں الکحل کی ملاوٹ ہوتی ہے اس لئے علماء کی اکثریت اس کی اجازت نہیں دیتی اس لئے ایسا پرفیوم جس میں الکحل کی ملاوٹ ہو اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے۔ والعلم عند اللہ۔☆

افتتاحیہ

تعلیمی نظام اور دینی مدارس

محمد ابوالقاسم فاروقی

سانحۂ ورلڈ ٹریڈ سینٹر (11.9.2001) کے بعد مدرسہ مغرب اور مشرق دونوں میں موضوع بحث بنا ہوا ہے، مدرسوں کا وجود افادیت کا حامل ہے یا مضرت کا؟ اس بارے میں مخالفین اور موید ین کی طرف سے دلائل اور جائزوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ مدارس کی ایسی شبیہ پیش کررہے ہیں، جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے، پرویز مشرف کے دور اقتدار میں پاکستان میں یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ مدارس سے دہشت گردی اور امن مخالف سرگرمیوں کا آغاز ہورہا ہے، ہندوستان میں اسے اچک لیا گیا، نظریاتی اور عوامی سطح پر اس مفروضہ کی بے پناہ تشہیر کی گئی کہ دینی مدارس کی سرگرمیاں مشکوک ہیں اور یہاں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کے بعد مدارس سے طلبا کو اٹھا لیے جانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا جو آج بھی جاری ہے۔

مدارس نے ہندوستان میں اجتماعی اور اخلاقی اقدار کی تشکیل میں جو اہم کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا سنہری باب ہے، مدارس آج بھی امن وآشتی کے گہوارے ہیں، اہل مدارس کا تعلق ایک ایسے عقیدے اور مذہب سے ہے جس کی خشت اول ہی سلامتی اور امن ہے، مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہم ایمان داری کے باوجود اپنے موقف کی وضاحت اور مدارس کی شفافیت دکھلانے سے قاصر ہیں، مدارس کے نظام تعلیم اور طریقۂ درس میں جو خامیاں اور نقائص ہیں، اس کی اصلاح سے گریزاں ہیں، روح عصر سے دوری، کنارہ کشی اور گریز پائی کی وجہ سے تہذیبی مسابقت میں ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں، ہمارے شعور واحساس میں وہ بیداری نہیں پیدا ہوسکی، جس کا موجودہ ماحول متقاضی ہے۔ گذشتہ پچیس سالوں میں سائنس اور ہائی ٹکنالوجی نے انسانی سماج میں جو حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا ہے اور برق رفتاری سے جو تبدیلیاں آرہی ہیں، کیا دینی مدارس خود کو ان سے ہم آہنگ کرسکے ہیں؟ کیا دینی مدارس کے اہداف ومقاصد میں وسعت اور نظر ثانی کی ضرورت نہیں ہے، کیا مدارس کے فضلا امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کے بارے میں قوم وملت کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں؟ راقم نے مندرجہ ذیل سطور میں مدرسی روایت کی تاریخ کے حوالے سے مذکورہ سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔

طلوع اسلام کے ساتھ ہی دینی مدرسہ کا قیام عمل میں آگیا تھا، اسلام کے اولین معلم خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تھی، اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کو معلم قرار دیا، ارشاد باری ہے: ﴿كما أرسلنا فيكم رسولا منكم يتلو عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا

تعلمون﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۵۱) جیسے کہ ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری نشانیوں کو تم پر تلاوت کرتا ہے، تمہیں کتاب (قرآن) اور حکمت (حدیث) سکھلاتا ہے اور جو تمہیں نہیں معلوم وہ بتلاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾ (سورۃ الجمعۃ:۳) وہی ذات ہے، جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجا جو ان پر اللہ کی نشانیوں کی تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب (قرآن) اور حکمت (حدیث) کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

عہد نبوی میں مدرسہ کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہیں تھی، جہاں آپ ﷺ تشریف رکھتے وہ جگہ مدرسہ بن جاتی، مکی زندگی کے ابتدائی تین سالوں میں دار ارقم سے تعلیم وتعلم کی کرنیں پھوٹی تھیں، مدنی زندگی میں مدرسہ کے قیام کی زیادہ آزادی تھی، یہاں آپ نے لوگوں کو حصول علم کی ترغیب دی، مدینہ نے جب ایک ریاست کی شکل اختیار کی تو تعلیم کا ماحول بھی بن گیا، مسجد نبوی عبادت گاہ کے ساتھ منارۂ علم بن گئی، غریب طلبا کے لیے مسجد سے متصل ایک چبوترہ بنا دیا گیا، مسجد قبا بھی علم کا مرکز تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد فضلا کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی، جس نے "بلغوا عني ولو آية" کو حرز جان بنالیا۔

پہلی صدی ہجری سب سے خیر وبرکت کی صدی تھی، صحابہ کرام جس شہر یا جس ملک میں گئے، ان کی ذات مدرسہ بن گئی، انھوں نے اپنے گھر یا مساجد کو درس گاہ بنایا اور علم کی روشنی بکھیرنے لگے، اس عہد میں اسلامی معاشرہ انتہائی سادہ اور تکلفات سے پاک تھا، مدارس کا نصاب صرف قرآن اور احادیث پر مشتمل تھا، قرآن کی تفسیر وتشریح خود قرآن اور احادیث کی روشنی میں کی جاتی، احادیث کے مجموعوں کی ترتیب وتدوین کا کام عہد نبوی میں ہی شروع ہو چکا تھا، خلفائے راشدین نے اس کام میں پوری دلچسپی لی، بہر حال اس زمانے کا تعلیمی نصاب سماجی مسائل حل کرنے اور حکومتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کافی تھا، صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور اسے تابناک بنانے میں اہم کردار ادا کیا، مدرسہ کی اس روایت کا تعلق براہ راست وحی سے تھا اور اس کی شاہراہ خود ہمارے پیارے نبی ﷺ نے متعین کر دی تھی۔

دوسری صدی ہجری سے علم کی دنیا میں ایک نئے انقلاب کی آہٹ سنائی دینے لگی، دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک کے طویل عرصہ کو اسلامی اور جدید علوم کا سنہری دور بھی کہہ سکتے ہیں، عرب وعجم گھر آنگن بن گئے، دنیا کا ایک وسیع رقبہ اسلامی مملکت میں شامل ہوگیا، عجمی نظریات وافکار پر مشتمل دنیا کی مشہور زبانوں کی کتابیں بغداد کے دار الحکمۃ میں جمع ہوگئیں، فلسفہ، منطق، کیمیا، طب، فلکیات موضوع تحقیق وبحث بننے لگے، ہندو اور بدھ مذہب نے بھی اپنے اثرات چھوڑے، معاشرے کے بڑھتے ہوئے مسائل اور تعلیم وتعلم کے جدید تقاضوں سے نئے نئے اسلامی علوم پھوٹ پڑے، علم نحو، صرف، بلاغت، نقد شعر، تدوین حدیث، اصول حدیث، علم الاسانید، تفسیر، علم القرأۃ والتجوید، فقہ واصول الفقہ جیسے اہم علوم کی نہ صرف بنیاد پڑی، بلکہ وہ ارتقا کے منازل طے کر کے اپنی متعین صورتیں بھی اختیار کر چکے تھے۔

اس دور میں مدارس کا نظام آج کی طرح منظم نہیں تھا، ہر فن کے ماہر اپنی محفل علم الگ سجائے ہوئے تھے، ایک ہی چھت کے نیچے مختلف علوم وفنون حاصل کرنے کی سہولیات نہیں تھیں، شائقین علوم کو دور دراز علاقوں کا سفر کرنا پڑتا، تاہم وحدت علم اور فکری آزادی درس گاہوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھی، دینی علوم کے ساتھ فلسفہ، سائنس، طب، اور ریاضی وغیرہ میں نظری اور عملی اکتشافات نے حیرت انگیز ترقی کی، فلسفیانہ نظریات اور اسلامی عقائد میں کشمکش اور تصادم کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن نہ حکومت نے اور نہ علماء دین نے ان پر کوئی بندش عائد کی۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری تک عالم اسلام نے ترقی کے جو مدارج طے کیے، ان کا واحد نمائندہ مدارس کا نظام تھا، عجمی افکار کی درآمدات نے امت مسلمہ کو بہت سے فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا، اس دور میں اساسی طور پر مدارس کی دو روایتوں نے مقبولیت حاصل کی، پہلی روایت محدثین یا اہل الحدیث کی تھی، ان کے مطابق قرآن وسنت اسلام کی کلیدی اساس ہیں، اس لیے تعلیم وتعلم کا مرکز ومحور بھی انھیں دونوں کو ہونا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس روایت کے امین وہ فضلا ہی تھے جن کے ذریعہ قرآن اور سرمایۂ حدیث اپنی اصلی شکل وصورت میں ہم تک پہنچا، امت مسلمہ پر اس روایت کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ توحید اور اسلامی عقائد پر عجمی افکار کی آنچ نہ آنے دی، اسما وصفات کے بارے میں متکلمین کے فلسفیانہ اسلوب کو سرے سے خارج کر دیا، فکری آزادی اور اجتہاد کے دروازوں کو ہمیشہ کھلا رکھا۔ دوسرا نظام اہل الرائے کا تھا، جنھوں نے قیاس، عقل اور درایت کو مسائل کے حل کا پیمانہ بنایا، مدرسہ کی اس روایت نے فقہ، اصول فقہ اور علم الکلام کو ترقی دی، اسلامی قوانین کو بڑے پیمانے پر مرتب کرنے کی کوشش کی، جس میں ہر زماں ومکاں کی رہنمائی کی صلاحیت موجود ہو، ان کی عظیم خدمات، کدوکاوش اور اخلاص مسلم ہے، مگر بدقسمتی سے اس روایت نے دھیرے دھیرے طلبا کو شریعت کے اصل چشمے سے دور کر دیا، اس نظام نے اسلامی عقیدہ کی تشریح وتوضیح کے لیے منطقی اور فلسفیانہ اصولوں کا سہارا لیا اور علم الکلام کے نام سے ایک مستقل مدون کیا۔

ملی زندگی اور تعلیمی نظام کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ملی زندگی میں اضمحلال طاری ہو تو مدارس کی ترقی اور نمو میں فرق آجاتا ہے، چوتھی صدی ہجری کے بعد فقہا نے فکری آزادی کی راہیں مسدود کرنا شروع کر دیں، تقلید جامد اور شخصیت پرستی پر زور دیا گیا، فقہی اجتہاد کے دروازوں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی، اس کے اثرات اور نتائج بڑے بھیانک نکلے، اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تمام شعبے جامد ہونے لگے، افکار میں جدت اور اپج کے سوتے خشک ہو گئے، متقدمین کے مستنبط اور مستفاد مسائل معمہ بن گئے، قیاس در قیاس، تفریع در تفریع، توثیق، تردید، توجیہ اور تعلیل علما وفضلا کے تگ وتاز کی جولان گاہ بن گئی، اساتذہ اور طلبا نے سلف کی کتابوں کو طاق نسیاں پر رکھ دیا اور متاخرین کی جامد تالیفات رہنمائی کا مرکز بن گئیں، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری تک تحقیق، تدقیق، تخلیقی بصیرت، سلسلہ اسانید کی روایت، فکری آزادی، فقہی مسائل براہ راست کتاب وسنت سے استفادہ تاریخ کی داستان پارینہ بن گئی، ان سب کے نتیجے میں برصغیر میں مدارس کا جو نصاب پہنچا وہ دینی وملی زندگی سے بہت دور تھا۔

آٹھویں صدی ہجری تک مسلمانوں کی علمی فتوحات اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کا چشمہ خشک ہوگیا، فلکیات، جغرافیہ، طبیعیات، کیمیا، تخطیط الارض اور طب وغیرہ کے اکتشافات کا سلسلہ بند ہوگیا، علوم دینیہ کی تدوین، تحقیق، تدقیق اور استخراج واستنباط کی گرم بازاری سرد پڑ گئی الا ماشاء اللہ، متاخرین کی عبقریت، ان کی ذہانت، صلاحیت اور عالی دماغی مسلم تھی، لیکن ان میں فنی اپج کے بجائے جمود اور تقلید غالب تھی، لفظی کج بحثیاں، بے معنی نکتہ آفرینیاں، عقلی تکے، توجیہات اور تاویلات ان کا طرہ امتیاز بن گئے، یہی وجہ ہے کہ پھر کوئی امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابن تیمیہ، فارابی، بوعلی سینا، رازی، ابن الہیثم اور زہراوی نہ پیدا ہوسکا۔

موجودہ شکل میں جو دینی مدارس پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کی کچھ مثالیں عہد سلاجقہ سے قبل تو ملتی ہیں، لیکن باقاعدہ طور پر پہلا مدرسہ ملک سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی نے قائم کیا، بغداد میں اس مدرسہ کے قائم ہونے کے بعد پوری دنیا میں مدارس کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، دمشق، مدینہ، مکہ، قرطبہ، اشبیلیہ، تیونس اور مصر کے مدارس علم کے اہم مراکز بن گئے، ہندوستان میں بھی اس کا اثر ہوا، ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا تو اس نے دہلی میں ایک ہزار مدارس دیکھے، اس کا بیان مبالغہ آمیز ہوسکتا ہے، لیکن مدارس کی کثرت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس عہد تک چار مخصوص فقہی مسالک عروج پا چکے تھے، آغاز میں کسی خاص فقہی مسلک کو ماننے یا نہ ماننے کے سلسلے میں بہت واضح اصول نہیں تھے، لیکن آگے چل کر ایک مسلک سے وابستگی پر سختی سے عمل شروع ہوگیا اور فقہی توجیہات کو معاشرہ کے مستقل قوانین کا درجہ مل گیا، فقہی مسلک پر عمل میں اس قدر تشدد آ گیا کہ فقہا نے یہ طے کرلیا کہ قرآن وسنت کی مزید تفسیر وتشریح کی اب ضرورت نہیں رہ گئی ہے، اور اجتہاد کے دروازے سدا کے لیے بند کردیے گئے، اس روایت پرستی اور تقلید جامد نے معاشرہ کے تمام شعبوں کو زنگ آلود کردیا اور یہ اسلامی علوم وفنون کے زوال کا اہم ترین سبب بنا۔

عالم اسلام میں مدارس کا جو نصاب رائج تھا، ترکوں کے ذریعہ وہی نصاب برصغیر میں بھی شروع ہوا، عرب اور وسط ایشیا کے علمی مراکز سے مختلف فنون کے روایتی اور مختصر متون کو درآمد کیا گیا اور ہندوستانی مدارس میں وہی درس وتدریس کے موضوعات بنے، برصغیر کے لیے مدارس کا یہ نظام نیا اور انوکھا تھا، ہندوستانیوں نے پڑھنے پڑھانے کا ایسا طریقہ پہلی بار دیکھا، جس میں عوام کو حصول علم کی پوری آزادی تھی، مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں کا عام معاشرہ علم کی ایسی دولت سے ناآشنا تھا، یہاں کی بیشتر عوام ہندو اور بدھ مت کے پیروکار تھی، ہندو مذہب کی دینی ہدایات کے بموجب مذہبی علوم صرف ایک طبقہ کے لیے مخصوص تھے اور دنیوی علوم دوسرے طبقہ تک محدود تھا، دیگر طبقات کو علم تک رسائی کی اجازت نہ تھی، مسلمانوں کی آمد کے بعد ان کی طرح ہندوؤں نے بھی مدارس سے پوری طرح فیض اٹھایا، انھوں نے اپنے مذہبی لٹریچر کو حکومتی زبان میں منتقل کیا، مدارس سے فارغ غیر مسلم فضلا نے فنون وادب پر پائدار اثر چھوڑا۔

حیرت انگیز اور چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں علوم وفنون کی جن کتابوں اور متون کو تو داخل نصاب کیا

گیا ان میں قرآنی اور حدیثی علوم کے ان متون کا حصہ بہت کم نظر آتا ہے جو چوتھی صدی ہجری سے قبل مدارس کا کلیدی مقصد تھیں، اس کے برعکس فقہ، اصول فقہ، طب، ہیئت، ریاضی، منطق، کلام اور فلسفہ کے متون کی کثرت تھی، چند علماء نے حدیث وتفسیر کو داخل نصاب کرنے کی کوشش کی لیکن تقلیدی جمود اور تصوف نے انھیں ناکام کر دیا اور وہ مایوس ہو کر دوسرے ممالک میں ہجرت کر گئے۔

قطب الدین ایبک سے ظہیر الدین بابر تک چار سو سال کے طویل عہد میں اشاعت سنت اور آزادانہ تحقیقی مطالعہ کے میدان میں سناٹا ہی نظر آتا ہے، مدارس میں فقہی متون کی ہی گرم بازاری تھی، ہمایوں ایران سے لوٹا تو ہندوستان اور ایران کے علمی روابط بہت مستحکم ہو گئے، ایران سے شیعہ اور سنی علما کی بڑی تعداد کی آمد ہندوستان میں شروع ہوئی، ایرانی علما نے معقولات کا تعارف کرایا، عہد مغلیہ میں فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ فلسفہ اور منطق مدارس کے قوام بن گئے۔

بدقسمتی سے معقولات میں بھی ہندوستانی علماء کی صلاحیتیں تقلیدی بندشوں سے آزاد نہ ہو سکیں، ان کے حصہ میں صرف ''لو قیل، قلت'' لفظی بحثیں، بے مقصد نکتہ سنجیاں آئیں، متن، شرح، حاشیہ، حاشیہ پر حاشیہ یہی مدارس کے علما اور طلبا کا مجال بن گیا، اس سے انکار نہیں کہ یہ بھی علمی سرگرمی، مصنفین کی جودت طبع اور عالی دماغی کے بہترین نمونے تھے، لیکن ان میں تخلیقی جوہر ناپید تھا، اس نے اسلامی علوم وفنون کی نشو ونما میں کمی کے رجحان کو جنم دیا، مسلمانوں نے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری تک جو ترقی کی اس میں بہت کم اضافہ یا پیش رفت ہوئی۔

عہد عالم گیری میں مدارس کی تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا، اورنگ زیب کے معاصر عالم ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۷۴۸ء) جنھوں نے فتاوی عالم گیری کی ترتیب کی نگرانی بھی کی تھی، انھوں نے باقاعدہ ایک نصاب مرتب کیا، مرتب شکل میں یہ پہلا نصاب تھا، اس نصاب میں تقریبا چالیس کتابیں تھیں، فقہ اور اصول فقہ کو ترجیح حاصل تھی، عقائد میں متکلمانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی علم الکلام کی متداول کتابیں، علم الہندسہ، منطق وفلسفہ اس نصاب کے اجزاء تھے، حدیث میں مشکوۃ آخری کتاب تھی، حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین کا یہ نصاب بھی انھیں متون تک محدود تھا جو ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، خراسان اور عربی ممالک میں تیار کیے گئے تھے، جن کے مصنفین کے پیش نظر صرف ایجاز، اختصار اور مشکل پسندی تصنیفات کا امتیاز تھا، طلباء سے مطلوب ان متون کو زبانی یاد کرنا اور مصنف وشارح کے اسلوب اور ابہام پسندی پر غور کرنا تھا، عربی زبان کے قواعد، بلاغت اور فقہ واصول فقہ کی تعلیم بھی اسی طرز پر تھی، اس نصاب میں نہ مقصدیت واضح تھی، نہ یہ ثمر آور تھا، اس کا فائدہ صرف اس قدر تھا کہ اس کے ذریعہ سے بنیادی اور کلیدی علوم سے طالب علم کی واقفیت ہو جاتی، سیاسی حالات کی تبدیلی کہیے یا خوش نصیبی کہ متذکرہ خامیوں کے باوجود یہ نصاب اس قدر مقبول ہوا کہ درس نظامی کا مدارس پر سکہ چلنے لگا۔

۱۷۶۴ء میں میر قاسم کی قیادت میں شاہ اودھ اور مغلیہ حکومت کے حکمراں شاہ عالم ثانی نے انگریزوں سے فیصلہ کن جنگ لڑی، بنگالہ کے معزول نواب انگریزوں کو فتح ہوئی، مغلیہ حکومت کو بنگال کی دیوانی، اضلاع الہ آباد اور مانک پور سے ہاتھ

دھونا پڑا، ۱۸۰۶ء میں انگریز دلی اور اس کے نواح میں داخل ہوگئے، انگریزوں نے مغلیہ حکومت سے ایک معاہدہ کے تحت اسلامی عدالتوں، مسلمان قاضیوں اور مفتیوں کو برقرار رکھا، آسانی کے لیے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ قاضیوں کا انتخاب مدرسہ فرنگی محل یا درس نظامی کے فضلا سے ہوگا اور فقہ حنفی کو اسلامی عدالتوں کے قانونی ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگی، ان کے اس اقدام نے درس نظامی کو پورے ہندوستان میں مقبول بنا دیا، کمپنی کی حکومت میں ان فضلا کو اعلی تنخواہیں ملتی تھیں، اس طرح درس نظامی کے فارغین ایک طرف قومی دھارے سے جڑے رہے، دوسری طرف ہندوستان کے تمام مدارس نے اسے اپنا نصاب بنالیا، آج بھی ہندوستان کے بیشتر مدارس جزئی اور معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے جدید تعلیمی پالیسیاں بنائیں، جس کے تحت اسکولوں میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا گیا، جن پرائیویٹ اسکولوں میں انگریزی کی تعلیم ہوتی، انگریز ان کی سرپرستی کرتے اور انھیں بھرپور مالی تعاون دیتے، اس کے برعکس مدارس اور پاٹھ شالاؤں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، ۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کے مکمل زوال اور دولت انگلشیہ کے کوکب اقبال کے ساتھ مدارس کے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا، اوقاف کا نظام تہس نہس ہوگیا، اسلامی عدالتوں کا خاتمہ ہوگیا، قضاۃ اور مفتیوں کے منصب ختم کردیے گئے اور مدارس کو قومی دھارے سے بالکل الگ تھلک کردیا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے مغلیہ حکومت کے زوال تک تقلید جامد اور فقہی حنفی کو جس طرح غلبہ ہوا، اس نے مدارس کے بنیادی مقصد کو سخت نقصان پہنچایا، قرآن اور احادیث کے مجموعوں کی صرف تقدیسی حیثیت باقی رہ گئی، اسلام کے اصل سرچشمہ یعنی وحی الہی سے بے نیازی نے صرف مدارس ہی نہیں بلکہ پورے مسلم معاشرہ میں ایک ایسی شریعت کو فروغ دیا، جس کا اصل اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا، جس میں شخصیت پرستی، تصوف کی طلسمی دنیا تھی، ہندو تہذیب کے ضمنیات اور وہمیات کا ایک بڑا حصہ تھا، ایرانی معقولات کا اپنا کردار تھا، اجتہاد کے دروازے بند تھے، فقہی موشگافیاں اور مفروضات اسلامی قوانین بن گئے، اشاعت حدیث کا کوئی ذریعہ نہ تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، شرح حدیث، اصول حدیث، علم الاسناد وغیرہ علوم ہندوستانی علما کے لیے شجر ممنوعہ تھے، حدیث کے کچھ ماہرین ضرور پیدا ہوئے، جیسے شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ان کے صاحب زادے مولانا نورالحق دہلوی، ملا علی قاری اور اسی طرح کی کچھ اور شخصیات تھیں، ان لوگوں نے علم حدیث کو فروغ دینے کی کوشش تو ضرور کی مگر اسی قدر کہ جس سے فقہ حنفی کو تائید اور تقویت مل سکے۔

ٹھیک اسی زمانہ میں جب درس نظامی کو مدارس ہاتھوں ہاتھ لے رہے تھے، دلی کا ایک مدرسہ ''مدرسہ رحیمیہ'' ایک نئے نصاب کی بنیاد ڈال رہا تھا، جو ہندوستانی مدارس کے مزاج سے بالکل الگ تھلک تھا، حکیم الامت شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) اس مدرسہ کے موسس تھے، یہ پہلا مدرسہ تھا جس نے مدارس کے نصاب میں تاریخ ساز تبدیلی کی، اس میں قرآن اور حدیث کی تعلیم کو اولیت دی گئی، فقہ اور اصول فقہ کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا، مدرسہ کی ذمہ داری جب شاہ ولی اللہ نے سنبھالی تو انھیں کتاب وسنت کے موضوع پر نصابی کتابوں کی کمی کا شدت سے احساس ہوا، آپ نے سب سے پہلے قرآن

کریم کا ترجمہ فتح الرحمٰن ترجمۃ القرآن کے نام سے فارسی میں کیا، تاکہ عوام کی رسائی براہ راست وحی الٰہی تک ہوجائے۔ تفہیم حدیث کے لیے موطأ کی دو شرحیں ایک فارسی میں دوسری عربی میں لکھیں، شرح وتراجم البخاری، اصول تفسیر میں الفوز الکبیر، عقائد میں المقدمۃ السنیۃ اور حسن العقیدہ وغیرہ تصنیف کیں، شاہ صاحب نے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مسلسلات، الارشاد الی مہمات الاستاد، متکلمانہ اور فلسفیانہ عقائد سے الگ سیدھی سادی زبان میں ان عقائد کو بیان کیا جو قرآن اور احادیث میں مذکور ہیں، آپ کے بعد آپ کی اولاد اور احفاد نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ یہی روایت آگے چل کر روشنی کا مینار بنی اور دینی نصاب میں آزادئ فکر کا دائرہ وسیع کیا، آگے چل کر تدریس کے اس دائرے کو شیخ الکل فی الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے اس قدر وسیع کیا کہ پوری اسلامی دنیا میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے، اس تدریسی تحریک کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کی ضرورت کا نہ صرف احساس کیا بلکہ اس کا کما حقہ استعمال کیا، ایک بڑا مسئلہ کتابوں کی کمیابی کا تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اپنی ریاست بھوپال اور بھوپال سے باہر حدیث وتفسیر کی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کرکے اس کمی کو پورا کیا۔ آپ نے بھوپال کو بھی اس روایت کا عظیم مرکز بنادیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد درس نظامی کی قدیم روایت کے قلعے میں بہت سی دراڑیں آگئیں، مدارس کا نظام بکھر چکا تھا، بہت سے مدارس صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، فضلائے مدارس کا ناطہ قومی دھارے سے ٹوٹ گیا، فقہی روایت جس نے صدیوں تک ہندوستان میں حکمرانی کی، اسے زندہ رکھنا بہت بڑا مسئلہ بن گیا، انگریزوں، ان کی زبان اور ان کے علوم سے نفرت نے مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں بالکل پس ماندہ کردیا، سرسید نے اس پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ مغربی علوم حاصل کریں، انھوں نے خاص اسی مقصد کے لیے محمڈن اورینٹل کالج قائم کیا، ان کا نعرہ تھا کہ میرے ایک ہاتھ میں قرآن ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں جدید علوم، ان کی فکر ایک مخصوص طبقہ میں مقبول ضرور ہوئی، لیکن یہ ملک گیر نہ بن سکی، سرسید احمد خود تعقل پرستی کی رو میں بہ گئے علما اور حلقۂ مدارس ان کی تحریک سے دور ہی دور رہے، دوسری طرف فقہ حنفی کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنے کے لیے کچھ بزرگان دین میدان عمل میں آئے، جن میں مولانا مملوک علی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سرفہرست تھے، یہ لوگ مدرسہ غازی الدین (دلی کالج) کے فیض یافتہ تھے، انھوں نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا جو ہندوستان میں اسلامی تعلیم کی قدیم اور تقلیدی روایت کی حفاظت کرسکے، فضلا کی ایسی ٹیم تیار کرے اور ایسی فکر کو جلا دے، جو ایک طرف جدید علوم کے مضرات کو واضح کرے، دوسری طرف تقلید جامد کی برف کو پگھلنے نہ دے۔ مدرسہ دیوبند نے مروجہ درس نظامی میں اس مقصد کے لیے کافی تبدیلیاں کیں۔ فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف اور علم الکلام کی کتابوں کے ساتھ صحاح اور تفسیر قرآن کو داخل نصاب کیا، دورۂ حدیث کا بھی اہتمام کیا، مگر حدیث کی کتابوں کی تدریس میں حنفی مسلک اور تقلید کی تائید وتوثیق پر زیادہ زور تھا، مدرسہ دیوبند کے بعد ملک میں اس طرح کے ہزاروں مدرسے قائم ہوئے۔ سرسید کی فکر اور تقلیدی ومسلکی تعصب کے دو متضاد اور انتہا پسندانہ رویوں نے دینی نظام تعلیم میں ثنویت اور دوئی کی بنیاد رکھ دی

اور اسے عصری و دینی تعلیم میں تقسیم کر دیا۔

اس تقسیم کے نقصانات اور مضرات کو بہت سے روشن فکر والے علما اور دانشوروں نے بھانپ لیا، انھیں اندازہ ہو گیا کہ تقلید جامد اور جدید علوم سے نفرت مستقبل میں مدارس کے فارغ التحصیل طلبا کو معاشرہ کے طفیلیے بنا دے گی، چنانچہ حضرت میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ایک شاگرد رشید مولانا محمد ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ) نے ۱۲۹۷ھ میں آرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کے نصاب میں انگریزی زبان کی تعلیم کو بھی شامل کیا، مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے اخبار ''اشاعۃ السنۃ'' میں اس تحریک کی تائید کرتے رہے، حتی کہ ان پر نیچری ہونے کا الزام عائد کر دیا گیا۔ ۱۸۹۴ء میں مولانا شبلی نے درس نظامی پر سوالات اٹھائے اور اس کے نقائص کو واضح کیا، اسی سال روشن خیال علماء نے (جن میں اہل حدیث اور مقلدین دونوں علما شامل تھے) عصری اور دینی تعلیم کے درمیان خلیج کو پاٹنے کے لیے ندوۃ العلما کے نام سے لکھنؤ میں ایک بڑا ادارہ قائم کیا، جس میں درس نظامی کے فرسودہ مضامین کو خارج از نصاب کر دیا گیا، ندوۃ العلماء کو بڑی کامیابی ملی، نتائج بھی خوش آیند نکلے، مگر یہ کامیابی بہت دیرپا ثابت نہیں ہوئی، تقلیدی جمود نے اسے مقبول عام نہیں بننے دیا، مولانا شبلی خود ندوہ سے مایوس ہو کر اعظم گڈھ واپس چلے گئے۔

بیسویں صدی میں بھی اصلاح نصاب کے تجربے ہوتے رہے، ہندوستانی مدارس کا سب سے مثبت پہلو یہ تھا کہ یہ دینی تحفظات اور تشخصات کے مضبوط قلعے تھے، دین خواہ روایتی ہو یا اس کا انشقاق وحی الٰہی سے ہو دونوں کی حفاظت ان مدارس نے کما حقہ کی، یہاں کے بہت سے فارغین نے قوم وملت کی قیادت بھی کی، باطل افکار کے سیل رواں کو روکا، مگر بدلتے ہوئے سیاسی وسماجی حالات متقاضی تھے کہ مدارس کی حدود کو مزید وسعت دی جائے۔ آزادی کے بعد ملکی حالات یکسر بدل گئے، جمہوری دستور نے مدارس کو پوری آزادی دی، مگر فقہی مسالک میں اختلاف اور منافرت کی شدت نے پورے ملک کے مدارس کو ایک نصاب پر متفق نہ ہونے دیا۔ آج مسائل بدل گئے ہیں، نئے نئے سماجی، سیاسی اور معاشی افکار نے فلسفیانہ نظریات کی جگہ لے لی ہے، طرز فکر اور انداز نظر نیا ہو گیا ہے، دنیا ماضی سے بہت آگے نکل چکی ہے، جو تعلیمی ادارے رفتار زندگی کا ساتھ نہیں دے پا رہے ہیں وہ دھیرے دھیرے داستان پارینہ بنتے جا رہے ہیں، بہت سے علوم فرسودہ اور گلیشے بن چکے ہیں، انھوں نے دنیا کی ترقی میں اپنا کردار ادا کیا، اب ان کا کام ختم ہو گیا ہے، آج ہماری خارجی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے، اب ان کی جگہ دوسرے علوم نے لے لی ہے، طرز تدریس کے پرانے طریقے اب پہلے کی طرح مفید نہیں رہ گئے ہیں، ان کو باقی رکھنا رفتار زوال کو سست تو کر سکتی ہے مگر ان میں زندگی نہیں پھونک سکتی ہے۔

خوش قسمتی سے اس وقت ہندوستان میں علما اور مفکرین کا ایک طبقہ مدارس کے حال اور مستقبل دونوں کے بارے میں فکر مند ہے، اس میں عصری جامعات اور مدارس کے فضلا دونوں ہیں، وہ حالات کی سنگینی سے پوری طرح واقف ہیں، مدارس کے نظام اور طریقۂ تعلیم کو سمجھتے ہیں، وہ ان مدارس کی امتیازی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے، وطن، قوم، ملت اور اسلام کے

لیے مزید مفید اور نتیجہ خیز بنانا چاہتے ہیں۔ آج مدارس کی تعداد پہلے کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ چکی ہے، لیکن ان کی زبوں حالی اور بے سروسامانی میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ مخیّرین کے تبرعات اور صدقات ان کی واحد آمدنی کا ذریعہ ہیں، ان کے ذرائع آمدنی محدود ہیں، مگر کیا کریں عوام کی امیدیں ان ہی سے وابستہ ہیں، جذبہ میں خلوص ہو تو مشکل کچھ نہیں، مسلمانوں کو جہالت اور تعلیمی پسماندگی کے بھنور سے نکلنا بھی ضروری ہے، اور ماحول اور رجحانات اس قدر بدل چکے ہیں کہ مدارس سے نکلنے کے بعد طلبا جوق در جوق یونیورسٹیوں اور کالجوں کا رخ کرتے ہیں، مدارس کی اسناد یونیورسٹیوں میں صرف چند شعبوں میں مقبول ہیں، ہر طالب علم کی دلچسپی الگ ہوتی ہے، وہ کہاں جائے کیا کرے یہ ایک بڑا مسئلہ ہے، اگر ہمارا نصاب اس قدر جامع ہو کہ اس کی سند سے یونیورسٹیوں کے سماجی اور سائنسی شعبوں میں بھی طلبا کو داخلہ مل جائے تو یہ مدارس کی بڑی کامیابی ہوگی۔

یقیناً مدارس کے قیام کا مقصد ایسے علما پیدا کرنا ہے جو اسلام کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائیں، اسلامی کردار و اخلاق کو نشو ونما دیں، صالح اور پُر امن معاشرہ کی تعمیر میں اہم کردار ادا کریں۔ اس مقصد سے سرمو انحراف نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن انھیں اسی میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دوسو سال قبل انگریزوں کی تعلیمی پالیسیوں نے علم کو عصری اور دینی حصوں میں بانٹ دیا تھا، اب وقت آگیا ہے کہ اس تقسیم کو ہم وحدت میں بدل دیں، اسلام میں جدید وقدیم علم کا کوئی تصور نہیں ہے، اصل مقصد تو انسانی ذات کی تکمیل ہے، انسانی ذات کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے، جب اس کا تعلق ایک طرف اللہ سے ہو، دوسری طرف کائنات سے اور خود اپنی ذات سے ہو، قرآن خود مظاہر کائنات، طبیعیات، مدرکات اور محسوسات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، وہ علم کا رشتہ اللہ رب العالمین سے، کائنات سے اور خود بنی نوع انسان سے جوڑتا ہے، وحی کی پہلی پانچ آیات کا آغاز ہی اللہ نے اسی سے کیا، اللہ نے فرمایا: ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا، رب کہہ کر اللہ نے علم کا تعلق کائنات سے جوڑ دیا، حضرت آدم علیہ السلام کے سجود ملائکہ کے استحقاق کی وجہ علم کائنات بتلایا: ﴿وعلم آدم الأسماء كلها﴾ اور آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی، اللہ سے رابطہ کے بغیر اس کے اندر مکمل عبدیت نہیں پیدا ہوسکتی ہے نیز عقیدہ توحید ربوبیت کے استحکام کے لیے کائنات کا علم ضروری ہے، اللہ نے مختلف مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿وفي أنفسكم أفلا تبصرون، فبأي آلاء ربكما تكذبان﴾.

آج علوم کی کثرت ہے اور ہر فن ایک سمندر ہے، اس لیے مدارس میں تمام جدید علوم کو داخل نصاب کرنا ناممکن ہے، مگر کم از کم ان علوم کی گنجائش نکل سکتی ہے جو آج معاشرہ کی ضرورت بن گئے ہیں، لازمی مضامین میں چھیڑ چھاڑ نہیں کی جاسکتی ہے، مگر اختیاری مضامین میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، مختصر المیعاد کورسز تیار کیے جاسکتے ہیں، جدید معاشی، سیاسی اور سماجی نظریات کی تعلیم کے لیے، ڈگری درجات میں مستقل شعبے قائم کیے جاسکتے ہیں تاکہ ایسے علما پیدا ہوں، جو امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرسکیں، رفتار زمانہ کو سمجھ سکیں۔ آج تعلیم کا کمرسیلائزیشن کیا جارہا ہے، اعلی تعلیم کا حصول انتہائی گراں ہوگیا ہے، صرف دولت مند طبقہ ہی یہ بوجھ اٹھا سکتا ہے، مسلمان پہلے ہی تعلیمی اور معاشی طور پر پس ماندہ ہے، تعلیم کی گرانی اسے اور پیچھے کرتی

جارہی ہے، جدید اسکولوں اور کالجوں کی زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو مغربی تہذیب کے دل دلدادہ ہیں، مدارس اور کالج کے ماحول میں سب سے بڑا فرق مذہب پسندی اور مذہب بیزاری کا ہے، مدارس کی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کے مقابلہ میں بہت ارزاں ہے، اگر مدارس اپنے اہداف ومقاصد میں وسعت پیدا کرلیں اور یہ ذمہ داری اٹھالیں تو یقیناً تعلیمی پسماندگی کے تناسب میں بہت فرق پڑ جائے گا، مسلم معاشروں میں مدارس کی تعلیم کے معیار کے تعلق سے جو بدگمانیاں ہیں انھیں بھی دور کرنے کی ضرورت ہے، یقین جانیے اگر ایسا ہوا تو کانونٹ اور ماڈرن اسکولوں میں داخلہ کا کریز گھٹ جائے گا۔

کسی بھی نصاب کو نتیجہ خیز بنانے میں طرز تدریس کا اہم کردار ہوتا ہے، افسوس کہ مدارس آج بھی طرز تعلیم میں ردوبدل کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں، صدیوں سے ہمارا طریقۂ تدریس یہی رہا ہے کہ استاد اور طلبہ دونوں کی تمام تر توجہ کتابوں کے متون پر رہتی ہے، متن کا لفظی ترجمہ، صرفی ونحوی تشریح، ضمائر کے مراجع کی وضاحت ہی معراج کمال بن جاتی ہے، شاگرد پہلے عبارت پڑھتا ہے، استاد اس کا لفظی ترجمہ کرتا ہے، پھر کچھ اعتراضات اور جوابات بتلاتا ہے جو حاشیے میں مذکور ہوتے ہیں، نیز ایسے نکات بیان کیے جاتے ہیں جو نہ فن سے متعلق ہوتے ہیں اور نہ مصنف کتاب نے ان کا تصور بھی کیا ہوگا، چوں کہ فنون اور قواعد کی وہی کتابیں زیر درس ہوتی ہیں، جو مصنف کی مشکل پسندی اور ایجاز واختصار کا عکس ہوتی ہیں، استاد اور شاگرد کی تمام تر صلاحیتیں ان کی عقدہ کشائی میں صرف ہوجاتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آٹھ دس سال مدرسہ میں گذارنے کے بعد بھی طلبا کا علم مقررہ کتابوں ہی تک محدود رہ جاتا ہے، حالاں کہ نصابی کتابوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان کی مدد سے متعلقہ موضوع کی دیگر کتابوں تک رسائی آسان ہوجائے، ابتدائی تعلیمی سالوں میں ممکن ہے کہ اس طریقہ کا فائدہ ہو، لیکن اعلی درجات میں یہ طریقۂ تدریس قطعا سودمند نہیں ہے، طریقۂ تعلیم میں اب کافی تبدیلیاں آچکی ہیں، صرف برصغیر ہی میں یہ طریقہ باقی رہ گیا ہے، تعلیم کا یہ طرز نہ فنی بصیرت کو جلا بخشتا ہے، نہ تخلیقی صلاحیت کو غذا فراہم کرتا ہے اور نہ ہی اس سے عبارت فہمی کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

اللہ کو اپنا رب مانتے ہوئے اس کی بندگی کرنے میں ہی نجات ہے، جو کوئی اس کو بھول کر دوسری جگہوں پر اپنی پیشانی جھکاتا ہے یا کسی دوسرے کی بندگی وعبادت کرتا ہے وہ جہنم کی آگ سے کیسے نجات پائے گا؟

دنیا وآخرت میں عزت کی زندگی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالی کے فرمان اور اس کے قوانین کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اسی میں انسانیت کی فلاح وکامرانی ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اپنا فرماں بردار بنائے اور دونوں جگہ کی سرخ روئی وکامیابی کے لیے نیک اعمال کی توفیق بخشے اور برے وحرام کاموں سے بچائے، آمین۔

✦✦✦

سعادت وشقاوت کے بیچ امت کی موجودہ صورت حال

خطبہ حرم بتاریخ: ۱۴۳۶/۱/۷ھ = ۲۰۱۴/۱۰/۳۱ء

خطبہ: ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید
امام وخطیب مسجد حرام وسابق صدر مجلس شوری سعودی عرب

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ساری حمد وثناء اللہ ہی کے لئے ہے جس کی رحمت ہر چیز کو عام اور کشادہ ہے، اور جس کی جاہ وجلال کے آگے گردنیں جھکی ہوئی اور تابع وفرماں بردار ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں وہ پاک ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کی نعمتیں اپنے بندوں پر کامل ہوگئیں اور برابر جاری وساری ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، یہ ایسی خالص ومخلص گواہی ہے جس کو میں اس دن کے لئے ذخیرہ کرتا ہوں جس دن ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہوجائیگی (حج ۲/)، میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنھوں نے اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کیا یہاں تک کہ دین وملت کے جھنڈے بلند ہوگئے اور پوری دنیا میں پھیل گئے، اللہ تعالی کی رحمت، برکت اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر۔ آپ ﷺ کی مبارک وپاکیزہ نسل وخاندان پر جن کو آپ ﷺ کے نسب سے شرف حاصل ہوا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر جنھوں نے آپ ﷺ کے سیرت وکردار کو اپنایا اور دین کو پھیلایا، اور تمام تابعین پر اور ہر اس شخص پر جو ان کی بھلائی کے ساتھ پیروی کرے جب تک کہ یہ دنیا قائم ہے اور کائنات کا وجود ہے ان سب پر بہت زیادہ سلامتی ہو۔

امابعد: اے لوگو میں آپ سب کو اور اپنی ذات کو اللہ کے تقوی کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ آپ سب پر رحم فرمائے اللہ سے خوف کھاؤ کیونکہ اللہ کا تقوی ہی سب سے بہتر توشہ ہے، اور وہی اللہ کی توفیق سے سدا بیدار رہنے والا چوکیدار ہے، بے نیاز کے لئے زینت ہے، فقیر کو صبر ودلاسہ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کی حفاظت کرنے والا اور اس کا نگہبان ہے، اے اللہ کا بندہ تو پیروی کرنے والا بن بدعت ایجاد کرنے والا نہ بن، تیری راہ اتباع کی راہ ہو بدعت کی راہ نہ ہو، جس نے سنت کو مضبوطی سے پکڑا وہ ہرگز گمراہ نہیں ہوگا، برائی کا سردار اور لیڈر بننے سے بہتر ہے کہ تو بھلائی میں تابع وفرماں بردار بن کے رہ، اگر اپنے بھائی کو نفع نہیں پہونچا سکتا ہے تو اس کو نقصان مت پہونچا، اگر اس کو خوشی نہیں دے سکتا ہے تو اسے غم بھی مت دے، اگر اس کی تعریف نہیں کرسکتا ہے تو اس کی برائی ومذمت مت کر، آدمی اپنی شکل وصورت سے برا نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنی عادت وکردار سے برا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا

لِّأَنفُسِكُمْ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (تغابن: ۱۶) لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہی ہے، اور جو اپنے نفس کی بخل وحرص سے محفوظ رہا وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اے مسلمانوں کی جماعت! ایک سال کے گذر جانے اور دوسرے سال کی آمد وآغاز میں غور وفکر کرنا ایک اچھی وبہترین چیز ہے، جائزہ لینا اور تدبر مطلوب ہے، اور بلا شبہ تاریخ نے جو کچھ اپنے صفحات میں تحریر کیا ہے اسے ضرور پڑھا جائے گا، اور یقیناً ذات اور امت کے ساتھ وقفۂ صادق احتساب میں صراحت وکھلے پن کا متقاضی ہے اگر چہ بات تھوڑی سخت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ دوا کڑوی ہوتی ہے، عزت نفس کا کیا عالم ہے؟ دلوں کی الفت ومحبت کا کیا معاملہ ہے؟ امت کے کیا حالات ہیں؟

میرے بھائیو! اسلامی امت اور اس کے ممالک کے خلاف دشمنی اور حملہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، امت اور اس کی قوموں اور اس کے امن وامان، پائیداری، اتفاق واتحاد اور آزادی کے خلاف سازشیں رچی جارہی ہیں، ناامیدی، قنوطیت اور عجلت بازی کے عوامل واسباب کے درمیان خفیہ ہاتھ امت کو کمزور کرنے، اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور اس کو تقسیم در تقسیم کرنے میں لگے ہیں، اور بلا شبہ ہمارے ان دشمنوں نے ہماری صفوں کے بیچ میں رخنہ ڈالنے، فتنوں کو جنم دینے، مایوسی پھیلانے اور خود اعتمادی کو ختم کرنے کے لئے مختلف وسائل، ذرائع اور آلات کا استعمال کیا ہے۔

اللہ کے بندو! اس دور کے مشکلات میں سے ایک یہ وسائل اتصالات اور ذرائع کمنیوکیشن کا بہت زیادہ ناکارہ اور غیر مفید معلومات سے بھرا ہونا ہے جس میں کہ حق وباطل، سچ اور جھوٹ، دھوکہ باز اور خیر خواہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، نیز درست اور غلط معلومات کا انتشار جنگل میں آگ کے انتشار سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں مکمل احتیاط اور ہوشیاری کی ضرورت ہے، علاوہ ازیں ایسے منظم ویب سائٹس بھی پائے جاتے ہیں جو قوموں کو بھڑکانے، بے چینی پھیلانے اور فتنوں کا بیج بونے میں ماہر ہیں۔

میرے احباب کی جماعت! جان لیجئے کہ دشمن کا اسلامی امت اور اس کی قوموں کو نشانہ بنانے کی صورتوں میں سے ایک وسائل اتصالات اور سماجی ویب سائٹس کا برا استعمال ہے، اور مختلف قسم کی جھوٹی ودھوکہ باز افواہوں کا پھیلانا، ملکوں اور ان کے اداروں، ان کی علامتوں، اور ان کی قیادت پر حملہ کرنا، اس کی اقدار وثوابت کو کمزور کرنا اور اس کی مختلف عظیم شخصیتوں مثلاً راسخ علماء، سچے قائدین، مخلص وطن پرست لوگوں سے اعتماد کو ختم کرنا ہے، وہ لوگ غلطیوں کا شکار کرتے ہیں، لغزشوں کو پھیلاتے ہیں، حقوق پر پردہ ڈالتے ہیں اور کارکردگیوں کو چھپاتے ہیں۔

ایسے مضامین تحریر کرتے ہیں، ایسے ٹوئٹس اور نقد وتبصرہ کرتے ہیں جن کا مقصد ہی لوگوں کو بھڑکانا اور ان کو تشویش

میں ڈالنا ہوتا ہے، اور یاد رکھیئے کہ انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ بنا کسی تحقیق، جانچ اور غور وفکر کے اپنے تک پہونچنے والی ہر معلومات کو دوسروں تک بھیجتا اور نشر کرتا رہے۔

علاوہ ازیں کچھ ایسے مذاقیہ اور مزاحیہ نقد وتبصرے ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ان کا مقصد صرف ہنسانا اور سیر وتفریح ہے جبکہ وہ لوگوں کو بھڑکانے، بے اطمینانی پھیلانے اور افکار وخیالات کو پراگندہ کرنے میں اپنا پورا کام کرتے ہیں۔

اس زمانہ کے لڑکے لڑکیوں کو جان لینا چاہیے کہ اس طرح کے مضامین، نقد وتبصرے اور ٹویٹس گرچہ ان میں سے بعض کا بھیس اور روپ مزاحیہ ہوتا ہے یا ان کا مقصد عارضی نقد وتبصرہ ہوتا ہے لیکن وہ فکر کی تشویش اور خیال کو خلط ملط کرنے کا سب سے تیز وسیلہ ہوتا ہے، بلکہ وہ لوگوں کو برباد کرنے، اصول وضوابط کو نقصان پہونچانے، اقدار وروایات کو ٹھیس پہونچانے اور اچھی عادات وتقالید کا مذاق اڑانے کی نشریاتی اور نفسیاتی جنگ ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں آپ سب کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ دھوکہ کھائے ہوئے اور غیروں کے نشانہ بنے ہوئے یہ لوگ جو کچھ آپس میں رواج دیتے ہیں اس کا ان کی حالت سے نزدیک یا دور کسی بھی طرح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی اکثریت کا تعلق بڑے اور عظیم الشان علماء وحکمراں وماہرین فن اور تجربہ کار افراد سے ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک مسلمان کا رویہ اور معاملہ کیسا ہونا چاہیے اس بارے میں بھی اللہ تعالی کی رہنمائی قرآن مجید میں موجود ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَإِذَا جَاءهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلاَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لاَتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلاَّ قَلِيلاً} (نساء: ۸۳) حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہونچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں، اُن کا طرز عمل کیسا ہے اور اِن کا طرز عمل کیسا ہے، اُن کے اور اِن کے درمیان بہت فرق ہے۔

مسلمانوں کی جماعت اور فرزندان اسلام! بلاشبہ علم ومعرفت اور شعور وآگہی کا سب سے قریبی راستہ نصیحت حاصل کرنا ہے اور عبرت کی راہ پر چلنا ہے جیسا کہ قرآن نے اس طرف ہماری رہنمائی کی ہے۔ فرمان الہی ہے: {فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الأَبْصَارِ} (حشر: ۲) پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو۔ اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے: {لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِي الأَلْبَابِ} (یوسف: ۱۱۱) اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل وہوش رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

اور یہ- اللہ تعالی آپ سب کو توفیق دے اور حفاظت فرمائے- دولمحہ فکر یہ ہیں ممکن ہے کہ ان میں ایسی نصیحت ہو جو

بیداری پھیلانے والی ہو اور ایسا غور وفکر ہو جو نصیحت آموز ہو۔

پہلا لمحہ فکریہ: اپنے ان بھائیوں کے حالات کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے جو ایسے فتنوں میں مبتلا ہوئے اور ایسے مشکلات کا شکار ہوئے جن کے نتیجہ میں ان کا ملک خون ریزی، ان کے خاندان بے گھر وبار، املاک برباد اور حالات پراگندہ ہوگئے، ان کا خیال تھا کہ ان کی زندگی اس کے بعد زیادہ بہتر ہوگی، لیکن وہ یہ بھول گئے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے حکمرانوں وسربراہوں کے خلاف شر وفساد برپا کیا تو انھیں تباہی وبربادی کا گھونٹ پینا پڑا، اور ہلاکت وبربادی ان کا مقدر بن گئی، اب ان کو یہ پتہ چل گیا اور آپ کو بھی کہ فتنوں سے امن وامان ختم ہوجاتا ہے، خون ریزی ہوتی ہے عزتیں لوٹی جاتی ہیں انسانوں کا خون بہت ارزاں ہوجاتا ہے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی مصیبتوں کو ختم کردے، اے اللہ تو ان کی تکلیفوں کو دور کردے، ان کے دشمن کو رسوا وذلیل کر، ان کی حفاظت فرما، اور دوبارہ ان کو امن واستقرار، پائیداری عطا کر، ان کو ایک کردے اور حق وہدایت پر ان کے کلمہ کو جمع کردے، بلاشبہ تو سننے والا قبول کرنے والا ہے، اے اللہ تو ان کے خوف کو امن سے بدل دے۔

دوسرا لمحہ فکریہ: اس بابرکت اور پاکیزہ ملک کے بارے میں ہے جو حرمین شریفین کا ملک ہے، مقدسات کی سرزمین ہے، دنیا کی سب سے پاک مشرف ومعظم جگہ ہے، وحدانیت اور توحید کا ملک ہے، ایسا ملک جس کے شیرازہ کو اللہ نے جمع کردیا، اور یہ اللہ کا اس کے باشندوں اور اس میں قیام پذیر لوگوں پر بہت بڑا فضل وانعام ہے کہ ان کو فقر وفاقہ کے بعد مالدار کردیا، اختلاف وتفرقہ کے بعد اکٹھا کردیا، جہالت، نادانی اور لاعلمی کے بعد ان کو علم کے زیور سے آراستہ کردیا، جبکہ ان کے گردوپیش میں لوگ اغوا کئے جارہے ہیں۔

ایک ایسا ملک جہاں حکومت اللہ کی شریعت کی ہے، جہاں اللہ کے حدود نافذ کئے جاتے ہیں، بھلائیوں کا حکم دیا جاتا ہے، برائیوں سے منع کیا جاتا ہے، جس کے مساجد نمازیوں سے آباد ہیں، جہاں نماز کے وقت بازار بند کردیئے جاتے ہیں، جس کا دستور اللہ کی شریعت ہے اور جس کی دیگر تمام قوانین پر حاکمیت ہے، جہاں منشیات یعنی نشہ آور اشیاء پر مکمل پابندی ہے، اور جہاں اس کی ترویج واشاعت کرنے والے کو چہ جائیکہ اس کے استعمال کرنے والے کو سخت سزا دی جاتی ہے، ایک ایسا ملک جہاں مسلمانوں کے مقدسات واقع ہیں جو ان کی خدمت، نگرانی اور حفاظت کو باعث شرف وفخر محسوس کرتا ہے، اسی طرح حج وعمرہ اور زیارت کی نیت سے اس کا قصد کرنے والوں کی خدمت کو بھی اپنے لئے باعث شرف سمجھتا ہے، جہاں کوئی گرجا گھر یا دوسرے ادیان کے عبادت خانے نہیں ہیں، اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہیں کیا جاتا ہے، جبکہ دوسرے ملکوں کے جھنڈے سرنگوں کئے جاتے ہیں، اور اسی ملک میں ہمارے نبی محمد ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہیں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور اسی ملک میں آپ ﷺ کا دار ہجرت بھی ہے اور یہ زمین نزول وحی کی سرزمین ہے، اور اسی طرف ایمان سمٹ کے باقی رہ

جائے گا، ایک ایسا ملک جو عقل، علم وحکمت، توحید اور خالص اسلامی عقیدہ سے منور ہے۔

اسی ملک میں سنت کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، خرافات کو ختم کرنے، اور اللہ کے علاوہ سے تعلق کے مظاہر کو مٹانے سے جو بعض حالتوں اور شکلوں میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے بہت زیادہ لوگوں کو فائدہ ہوا جس کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہاں- اللہ آپ سب کی حفاظت فرمائے- بلاشبہ علم ومعرفت اور شعور وآگہی کا سب سے قریبی راستہ نصیحت حاصل کرنا اور عبرت کی راہ اختیار کرنا ہے، اور یاد رکھئے کہ اس مبارک ملک اور اس بابرکت یکجہتی میں لگا تار کئی صدیوں پر مشتمل ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جس میں جزیرہ عرب کے اندر باہم دست بگریباں قبیلوں اور بکھری ہوئی حکومتوں میں اختلاف اور پھوٹ تھی، تفرقہ تھا جہالت ولاعلمی پھیلی ہوئی تھی، بیماریاں منتشر تھیں اور دیانتداری بہت کم تھی۔

ہاں درج ذیل چیزیں بیشک دو مختلف زمانوں اور جدا تاریخوں کے درمیان حد فاصل تھیں۔

ایک ایسا کامل اتفاق واتحاد اور بابرکت وحدت جس نے ایک زبردست اور عام انقلاب وتبدیلی برپا کردیا جو صرف جزیرہ عرب تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ تبدیلی پوری دنیا کے تمام گوشوں خاص طور سے پڑوسی ممالک اور اسلامی دنیا میں دیکھی گئی، جس کے نتیجہ میں بدعتوں کی تاریکیاں چھٹ گئیں، اوہام وخرافات مٹ گئے اور عقائدی انحرافات ختم ہوگئے، ایک ایسا اتحاد جس نے ملک کی تاریخ بدل دیا اور قوتوں کے میزان کو الٹ دیا، اور جو کہ تنہائی اور حاشیہ نشینی سے نکل کر اثر اندازی کی طرف منتقل ہوا اور جو عالمی وعلاقائی اسٹیجوں پر نمودار ہوا۔

لیکن اس بابرکت یونٹی اور اتحاد سے پہلے یہ ملک تاریخ کے حاشیہ پر تھا حرمین شریفین- اللہ تعالی ان دونوں کی شرف وعزت اور رعب میں اضافہ کرے- کو چھوڑ کے اس ملک کا کوئی اثر ورسوخ، شرکت اور حصہ داری نہیں تھی، حرمین شریفین کا راستہ بھی مامون ومحفوظ نہیں تھا اور نہ ہی ان تک پہونچنا آسان تھا۔

اُس تاریک دور میں اس ملک کا کوئی بھی حاکم ایسا نہیں تھا جو امن وامان قائم کرنے، شیرازہ بندی کرنے یا صفوں میں اتحاد پیدا کرنے یا لڑائی وجھگڑا کو ختم کرنے یا شریعت کی مدد کرنے پر قادر ہو، بلکہ خلافت راشدہ کے بعد یکے بعد دیگرے قائم ہونے والے ممالک اور خلافتیں بھی حج کے راستہ کو پرامن نہیں بنا سکیں، اور مسلمانوں کی ٹریجڈی لمبی صدیوں تک باقی رہی یہاں تک کہ مغربی ممالک کے علماء نے فتوی دے دیا کہ ان ملکوں کے رہنے والوں پر اب حج فرض نہیں ہے کیونکہ راستہ غیر مامون اور پرازخطر ہے، پس اُس زمانہ کے قتل، لوٹ مار اور ظلم کی خبریں دلوں کو زخمی کررہی ہیں اور خون کے آنسو رلا رہی ہیں۔

یہاں تک کہ اللہ تعالی نے یہ شرف اور عزت- حاجیوں کو مکمل امن وامان عطا کرنے اور ان کی راہوں کو پرامن بنانے کا شرف- اِس بابرکت ملک کو بخشا، بنابریں اس کی حکومت رحمت ہے اور اس کی سلطنت نعمت ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں ایک

حاجی، عمرہ وزیارت کرنے والا اور باہری شخص مکمل حفاظت، نگرانی ونگہداشت کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور جس کے سر پر امن وسکون، چین واطمینان کا سایہ ہوتا ہے، اور اس کو سلامتی ولطف کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے، بنا بریں دن بہترین واچھے ہوگئے، لوگ شاد ماں ومسرور ہوگئے، پس تعریف واحسان اللہ ہی کے لئے ہے۔

اے مسلمانوں کی جماعت اور اے نوجوانو! جان لیجئے کہ بلاشبہ یہ ملک نہ تو اپنی نسبت کسی زبان کی طرف کرتا ہے جو اس کی شناخت ہو، نا ہی کسی تاریخ کی طرف کرتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے، نا ہی کسی ایسے انسانی نسل کی طرف کرتا ہے جس کے اوپر اس کا اعتماد ہے بلکہ اس ملک میں تو تمام نسل پرستیاں، قبائلیت، مذہبیت اور علاقائیت پگھل گئے ہیں، یہاں لوگوں کو جمع کرنے والی صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ اسلام ہے، اسلام ہی اس کا طریقہ کار، اسلام ہی اس کا نظام ہے، اور یقینا ملک کی شناخت کی ان قیمتی لوازمات سے ذرا بھی غفلت یا اس میں کسی بھی طرح کا خلل یا اس کی حفاظت میں کسی بھی طرح کی کوتاہی تباہی وبربادی کا سبب ہے جس کا اثر بھی اسی کے حجم کے بقدر ظاہر ہوگا۔

اور تعجب تو ان لوگوں پر ہے جن کا ارادہ دین اور اس ملک کے درمیان تفریق کا ہے، جن کا خیال ہے کہ ان دونوں کے درمیان کا تعلق تحالف اور وفاق کا ہے جس کا بکھر جانا یا جس سے جدائی اختیار کرنا ممکن ہے، لیکن یاد رکھئے کہ ایسی سوچ تاریخ، امتوں اور ملکوں کے بارے میں اللہ کی سنت سے غفلت برتنا ہے۔

یقینی طور پر دین اور اس ملک کے درمیان جو رشتہ ہے وہ پیدائشی رشتہ ہے، اور ہر وہ ملک جو اپنے پیدائشی رشتہ سے جدائی اختیار کر لیتا ہے اس کا وجود باقی نہیں رہتا ہے جس کی شہادت اس مبارک دعوت کے نتیجہ قائم ہونے والی بابرکت حکومت سے پہلے کی تاریخ دیتی ہے۔

لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ اس بابرکت ملک میں اسلام کی پابندی، اس کا نفاذ اور اس کی طرف دعوت دینا یہ صرف اس کے پیشوں میں سے کوئی پیشہ یا اس کی سرگرمیوں میں سے کوئی سرگرمی نہیں ہے بلکہ وہی اس کی روح، وہی اس کی زندگی، وہی اس کا مقصد اور وہی اس کا منہج ہے جو اس کے ہر سرگرمیوں، پروگراموں، کاموں اور نظاموں میں ظاہر وباہر ہے، اور جس پر اس کا بنیادی نظام بھی صراحت کرتا ہے۔

مسلمان بھائیو اور اے نوجوانو! بلاشبہ ایسی قوم جس پر اللہ نے ان کے ملک میں ان خصوصیتوں اور امتیازات کے ساتھ انعام کیا ہے کہ امت میں استقرار وپائیداری ہے، آپسی مربوط اتحاد ہے، ایک جامع قیادت ہے، بہترین زندگی ہے تو یقینا اس قوم کے اوپر حق ہے کہ وہ ان نعمتوں کا کماحقہ قدر کرے اور اپنی پوری طاقت وقوت، عزم وارادہ کے ساتھ اس کی حفاظت کرے۔

خبردار، ہوشیار، نصیحت حاصل کرنے والے بنو اس سے پہلے کہ تم خود دوسروں کے لئے نصیحت بن جاؤ۔

خبردار پھر خبردار، ایسا نہ ہو کہ ان بہترین دن اور سایہ فگن امن وامان پر تم بعد میں آنسو بہاؤ، تم اپنے گھروں میں اپنے بچوں، اپنی بیویوں اپنے دوستوں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زندگی گزارتے ہو، اور اس ملک کے تمام باشندے اور اس میں اقامت پذیر لوگ صبح وشام اپنے گھروں، کاموں، بازاروں، مدرسوں، یونیورسٹیوں اور پارکوں میں اللہ کی حفاظت اور امان میں آتے جاتے ہیں، اسی طرح ان کا سفر اور آمدورفت بھی اللہ کی نگہبانی اور امان میں ہوتا ہے۔

لہذا اے لوگو! مختلف مصلحتوں مثلاً ایک ہی بات پر سب کا متفق ہونا، دین اور اس کے شعائر کا قیام، صفوں میں اتحاد و یکجہتی اور مسلمان قیادت کی وحدت وغیرہ کے درمیان موازنہ کرو، تو پتہ چلیگا کہ ان سب کو جمع کرنے والی چیز عقیدہ و بیعت، جماعت کو لازم پکڑنا، سمع وطاعت، خیرخواہی اور شفقت کے ساتھ ماہر اہل علم کی طرف رجوع کرنا اور دینی شعائر کا اظہار ہے۔

اس پاکیزہ و بابرکت ملک سے لگاؤ اور جڑاؤ ایک بہت ہی گہرا شعور واحساس ہے جس سے دل دھڑکتا ہے، ایک ولولہ ہے جس سے دل آباد رہتا ہے، اور ایک پرجوش محبت اور انسیت ہے جس سے احساسات لبریز رہتے ہیں۔

حضرت صالح دمشقی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے جب بھی ایک دن اور ایک رات گذر جائے جس میں تمہارا دین، بدن، مال اور اہل خانہ صحیح وسالم رہیں تو اس پر اللہ کا زیادہ سے زیادہ شکریہ ادا کرو، کیونکہ اتنے وقت میں نہ معلوم کتنے لوگوں نے اپنا دین گنوا دیا، کتنے لوگوں کی حکومت چلی گئی، کتنوں کی عزت لوٹی گئی، کتنوں کی پیٹھ توڑی گئی اور تو اللہ کی طرف سے صحت وعافیت وامن وامان میں رہا۔

اور آپ لوگ- اللہ تعالی آپ کو اور زیادہ احسان کی توفیق دے- اپنے گردوپیش کے واقعات پر نظر ڈالئے تاکہ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکیں، اور پھر اس کی حمد وثنا اور شکر ادا کریں، اور اپنے بھائیوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالی جلد از جلد ان کی مصیبتوں کو دور کردے، ان کے خوف کو امن سے بدل دے، ان کے درمیان اتفاق واتحاد پیدا کردے اور ان کی مصیبت وپریشانی وتکلیف کو ختم کردے، فرمان الہی ہے: {وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ} (الانفال:۲۶) یاد کرو وہ وقت جبکہ تم زمین میں تھوڑے تھے کمزور شمار کئے جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اچک نہ لیں، پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کردی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تمہیں اچھا رزق عطا کیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

دوسرا خطبہ:

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو ہر حالت میں قابل تعریف ہے۔ میں اس ذات کی جو پاک ہے اس کے مزید فضل واحسان پر تعریف کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک

نہیں ہے عظمت، عزت اور جلال والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن پر نبوت اور رسالت ختم ہے۔ اللہ تعالی کی رحمت وسلامتی اور برکت نازل ہو آپ پر اور آپ کے تمام معزز اصحاب پر اور پاکیزہ اہل عیال پر اور تابعین پر اور ہر اس شخص پر جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرے جب تک کہ صبح وشام گردش میں ہیں ان سب پر بہت زیادہ سلامتی ہو۔

اے مسلمانوں کی جماعت! بلا شبہ غلطیاں موجود ہیں اور کمیاں پائی جاتی ہیں لیکن کسی بھی عقلمند چہ جائیکہ کسی بھی مخلص اہل وطن مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا مطالبہ اور تنقید ملک کی سلامتی، وطن کے امن وامان اور اتفاق واتحاد کی قیمت پر ہو۔

ہاں کمال کا دعوی نہیں ہے اور غلطیاں ہوسکتی ہیں بلکہ موجود ہیں، لیکن مطلوب خیر خواہی اور نصیحت کرنا، اچھائی کے ساتھ علاج کرنا، اور سینوں کی سلامتی ہے، نیز علاج میں سچائی برتنا، خیر اور اس کے حصول کا پختہ ارادہ رکھنا، برائی کو دور کرنا اور اس کو ختم کرنا ہے۔

عدل وانصاف تقوی کا معیار و پیمانہ ہے، نا ہی یہ خیر خواہی ہے اور نا ہی یہ اخلاص ہے کہ ملک کی اس طرح تصویر کشی کی جائے کہ گویا کہ اس کے اندر بھلائی کا وجود ہی نہیں ہے، نا تو یہ دین ہے، نا ہی خیر خواہی اور نا ہی اخلاص ہے کہ بدنظمی پھیلانے اور پراگندگی پیدا کرنے کے لئے موقعوں کی تاک میں رہا جائے، ہرگز وہ مخلص نہیں جو اپنے ہی ملک اور اپنے معاشرہ کی اقدار وروایات اور عادات کو تنقید اور آزادی رائے کے نام پر ڈھاتا ہے۔

ہرگز وہ شخص صادق، خیر خواہ اور مخلص نہیں ہے جس کا خیال ہے کہ وطن پرستی اور اسلام کے درمیان تعارض ہے چہ جائیکہ جس کا خیال یہ ہے کہ شریعت کا نفاذ ملک کے مصالح ومفادات کے خلاف ہے، نعوذ باللہ۔

اور محاورہ ہے کہ اگر تمہارا ارادہ کسی آدمی کو پہچاننے کا ہے تو یہ دیکھو کہ اس کا ایمان کتنا مضبوط ہے، اس کو اپنے وطن کا کتنا شوق ورغبت ہے، اس کو اپنے بھائیوں سے کتنی محبت ہے اور گذرے ہوئے زمانہ سے اس کا کتنا ربط ولگاؤ ہے۔

ہاں سب سے زیادہ خیر خواہ اور مخلص ترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے اجتماع، اپنی قوم کی کارکردگیوں اور اپنی ملکی مفادات کی حفاظت پر بہت زیادہ حریص ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صرف اسی کو اپنا ساتھی بناؤ جو تمہارے راز کا چھپانے والا، تمہارے عیب پر پردہ ڈالنے، تمہاری بھلائیوں کو پھیلانے والا اور تمہاری برائیوں کو پوشیدہ رکھنے والا ہو، اب اگر ایسا آدمی نہ ہو تو کسی کو اپنا ساتھی مت بناؤ۔

بعد ازاں- اللہ تعالی آپ سب کی حفاظت فرمائے، اور اپنی نعمت وفضل اور امن کو آپ پر قائم ودائم رکھے- یاد رکھئے

کہ انسان کے نفس کی پائیداری اور استقرار کے بڑے اسباب میں سے اطاعت وفرماں برداری میں نفس کے خلاف جہاد، اچھی عبادت، رونا وگڑگڑانا، دین میں سمجھ پیدا کرنا، اہل علم، اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا، صالح اسلاف کے منہج اوران کی سیرتوں میں غور فکر کرنا ہے، نیز اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اوراس پر بھروسہ واعتماد اور توکل کرتے ہوئے مسلمانوں کی جماعت اوران کے امام کو لازم پکڑنا ہے جس پر تمام دل متفق ہوں، اور معاشرہ کے ہر جماعت وگروہ کے ہاتھ آپس میں ملک کی حفاظت، اپنے اہل خانہ کی حفاظت، اور اپنے اوپر اپنے دین، امن وامان، اتحاد واتفاق اور اچھی زندگی کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے آپس میں ملے ہوں، کیونکہ سب لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جن کا نجات پانا اور ڈوب جانا ایک ہی ساتھ ہے، اور یاد رکھئے کہ جب بھی کوئی قوم پھوٹ اور تفرقہ کا شکار ہوجاتی ہے تو بگڑ جاتی ہے اور ہلاکت وبربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے، لیکن جب بھی کوئی قوم اتحاد واتفاق کر لیتی ہے تو سدھر جاتی ہے اور حاکم بن جاتی ہے۔ بنابریں جماعت رحمت ہے اور تفرقہ واختلاف عذاب ہے۔

خبردار اللہ سے ڈریئے - وہ آپ سب پر رحم فرمائے - اور جان لیجئے کہ اطاعت، اچھی عبادت اور نعمت پر شکر میں سے اس چیز کی طرف سبقت کرنا ہے جس کی طرف تمہارے نبی ﷺ نے تم کو بلایا ہے اور وہ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا ہے، کیونکہ یہ عزت وغلبہ کا دن ہے، اور ہم سب موسی علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں - ان پر اور ہمارے نبی ﷺ اور انبیاء ورسولوں میں سے ان کے بھائیوں پر بہترین درود اور کامل ترین سلامتی ہو - جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے: مجھے نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول نے کسی اور دن کا روزہ رکھا ہو جس کی فضیلت کو بقیہ اور دنوں پر تلاش کیا ہو مگر یہ دن یعنی عاشوراء کا دن۔

اور صحیح حدیث میں حضرت ابوقتادہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عاشوراء کے دن کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے، لہذا - اللہ آپ سب پر رحمت نازل فرمائے - اس دن کا روزہ رکھنے میں سبقت کرو، اور جو بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اسے یہود کی مخالفت میں ایک دن اس سے پہلے یا ایک دن اس کے بعد روزہ رکھنا چاہیئے جیسا کہ اس کی طرف ہمارے نبی ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔

اوراب درود وسلام بھیجو۔۔۔۔

✦✦✦

زکاۃ کے احکام ومسائل

(قسط۲-۲)

ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی
استاد جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور، صاحب گنج، جھارکھنڈ

مصارف زکوٰۃ:

مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم"

صدقات صرف فقراء اور مساکین کے لئے ہیں، صدقات پر کام کرنے والوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کا دل بہلانا مقصود ہو، اور غلام آزاد کرنے، قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کیلئے اللہ کی طرف سے یہ فرض ہے اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کردیئے ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱۔۲) فقراء ومساکین:

یہ دونوں الگ الگ دو مصارف ہیں ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی تعریف میں علماء کرام کے درمیان کافی اختلاف ہے، امام شافعی اور جمہور کے نزدیک فقیر اور مسکین کی تعریف یہ ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس مال ہو لیکن اتنا نہ ہو جو اسے کفایت کر سکے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ اور یہی تعریف صحیح بھی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ليس المسكين الذى يطوف على الناس ترده اللقمة واللقمتان و التمرة والتمرتان ولكن المسكين الذى لا يجد غنى يغنيه ولا يفطن به فيتصدق عليه ولا يقوم فيسأل الناس۔

مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے پاس چکر لگاتا پھرتا ہے اور ایک لقمہ دو لقمہ یا ایک کھجور، دو کھجور ملنے سے وہ واپس چلا جاتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جو اسے بے نیاز کردے اور اس کے بارے میں کسی کو معلوم بھی نہ ہو کہ اسے لوگ صدقہ کرے اور وہ لوگوں کے پاس مانگنے بھی نہیں جاتا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ مسکین وہ ہے جو کسی سے مانگنے نہ جائے اور اس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو کہ اس کو بے نیاز کردے کسی طرح زندگی بسر کرے ایک آدھ وقت فاقہ کشی بھی برداشت کرلے اور فقیر وہ ہے جو لوگوں سے دست سوال دراز کرنے میں عار محسوس نہ کرے اور اس کی حالت مسکین سے بدتر ہو۔ مذکورہ دونوں قسم کے لوگ زکوٰۃ کے حقدار ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری:۳/۴۱۹ میں فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ کفایت نہ کرے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور دلیل میں انہوں نے اس آیت کو پیش کیا ہے" اما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر " کشتی چند مساکین کی تھی جو لوگ دریا میں کام کرتے تھے۔یعنی ان لوگوں کے پاس کشتی تھی تب بھی اللہ تعالی نے ان کو مسکین قرار دیا جمہور اہلحدیث اور امام شافعی اور جمہور فقہا کا یہی قول ہے۔

علامہ عبدالروف جھنڈانگری فرماتے ہیں کہ مسکین میں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو مختلف وجوہات سے مفلس ہو گئے ہوں اور اپنی ترقی وبقا کے لئے کوئی اہتمام نہ کر سکتے ہوں مثلا ان کا مالی تجارت سمندر میں غرق ہو گیا ہو یا گھر میں آگ لگ گئی ہو اور سب کچھ جل گیا ہو وغیرہ وغیرہ نیز معذور، بوڑھے، مفلوج، اندھے، نادار، یتیم اور بیوہ وغیرہ سب مساکین میں داخل ہیں۔(تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں ایمان وعمل ۲۲۶۔۲۲۸)

اسی طرح دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے یا کہیں بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والے غریب وغیر مستطیع طلبہ بھی مساکین میں داخل ہیں اس لئے دینی مدارس بھی زکوۃ کے حقدار ہیں، چنانچہ محدث ہند علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ عشر، زکوۃ اور فطرہ کے مصارف بیان کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ البتہ اگر ان اسکولوں، مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پانے والے غریب بیرونی طلبہ یا غریب والدین کے نابالغ بچے ہیں تو زکوۃ کی دو مبینہ مصرف ''فقراء ومساکین'' میں ان طلبہ اور بچوں کے والدین کے داخل ہونے کی بناء پر ان طلبہ اور بچوں کے خورد ونوش اور ان کی جملہ تعلیمی ضروریات پر عشر وزکوۃ کا صرف کرنا جائز ہوگا، کار پردزان اسکول ومدرسہ وکیل وامین ہونے کی حیثیت سے ان مستحقین پر مذکورہ رقم صرف کریں گے۔یہی حکم صدقۃ الفطر کا بھی ہے(فتاوی شیخ الحدیث:۲/۷۷)

(۳) عاملین:

ان سے مراد ایسے سرکاری اہل کار ہیں جو زکوۃ وصدقات کی وصولی وتقسیم اور اس کے حساب وکتاب پر مامور ہوں۔جیسا کہ صحیح بخاری "كتاب الاحكام ،باب رزق الحكام والعالمين "رقم الحدیث:۷۱۶۳ کے اندر مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ زکوۃ وصول کر کے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو عطیہ دیا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لو اور مال حاصل کرو اور اس سے صدقہ کرو تمہارے پاس جو بغیر مانگے آجائے اسے لے لو۔

اسی طرح عاملین کے اندر وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کو مدارس کی جانب سے تحصیل کے لئے متعین کیا جاتا ہے ان حضرات کو بھی ان سے عطیہ اور تحفہ دیا جا سکتا ہے اور بیت المال تقسیم کرنے والے اس کا حساب کرنے والے بھی عاملین میں داخل ہیں۔

(۴) مولفۃ قلوب:

اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے کسی کو دینا اس کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) اس سے مراد وہ کافر ہے جو تھوڑا اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر امید ہو کہ وہ اسلام کی طرف مکمل

طور پر مائل ہوجائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو جنگ حنین کے مال غنیمت میں سے اس لئے عطیہ دیا تھا کہ وہ اسلام قبول کرلے ان کو رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ دیا پھر سو اونٹ پھر سو اونٹ سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ صفوان بن امیہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ مجھے عطیہ دیا وہ تو دیا اس وقت آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھے لیکن آپ مجھے بار بار عطیہ دیتے رہے یہاں تک آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ، باب ماسئل رسول الله ﷺقط فقال لا وكثرة عطائه) اخیر میں صفوان بن امیہ نے اسلام قبول کرلیا۔

(۲) اس سے مراد وہ نومسلم افراد بھی ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لئے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین کے روز چند لوگوں کو عطیہ دیا جو نومسلم تھے اور ایک آدمی کو نہیں دیا اس وقت سعد رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: يا سعد انى لأعطى الرجل وغيره احب الى منه خشية ان يكبه الله فى النار" اے سعد! میں ایک آدمی کو عطیہ دیتا ہوں حالانکہ دوسرا آدمی میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے پھر بھی میں اس ڈر سے پہلے آدمی کو دیتا ہوں کہ وہ کمزور ایمان والا ہونے کی وجہ سے اسلام سے پھر جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسکو جہنم میں ڈال دے (صحیح بخاری، کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ رقم الحدیث: ۲۷)

(۵) فی الرقاب:

اس سے مراد ہے غلام آزاد کرنے کے لئے زکوٰۃ کی رقوم صرف کرنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "يعتق من زكوٰة ماله" اپنی زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کرسکتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، باب قولہ اللہ تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ" تعلیقا)

(۶) الغارمین:

اس کے معنی مقروضین ہیں ان میں ایک تو ایسا شخص داخل ہے جو اپنے اہل وعیال کا خرچ پورا کرنے کے لئے قرض لے کر مقروض ہوگیا ہو دوسرا وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت دی ہو پھر وہ اس کا ذمہ دار قرار پایا ہو، یا ایسا شخص جس کا کاروبار خسارے کا شکار ہوگیا ہو اور اس وجہ سے وہ مقروض ہوگیا ہو۔ ان تمام افراد کو مال زکوٰۃ سے امداد کی جاسکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، باب من تحل لہ المسألۃ" کے تحت قبیصہ بن مخارق سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ایک دیت دینے کی ذمہ داری قبول کی اور اس وجہ سے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے پاس ٹھہرو زکوٰۃ کا مال آنے دو تو میں تمہیں دینے کا حکم دونگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مانگنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے جائز ہے:۔

(۱) وہ آدمی جس نے کسی کی ذمہ داری قبول کی ہو وہ صرف ذمہ داری نبھانے کے لئے مانگ سکتا ہے۔

(۲) وہ آدمی جس کو آفت پہنچ گئی ہو یا اچانک کسی وجہ سے اسکا مال ختم ہوگیا ہو اس کے لئے اس وقت تک سوال کرنا اور

مانگنا جائز ہے جب تک اس کی ضرورت پوری نہ ہو۔

(۳) تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کو فقر وفاقہ لاحق ہو، اس کے قبیلہ کے تین آدمی گواہی دے کہ فلاں کو فاقہ لاحق ہو گیا ہے ایسے شخص کے لئے اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کا فاقہ دور نہ ہو اے قبیصہ! اس کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے سوال کرنے والا حرام مال کھائے گا۔

اسی طرح میت کا قرض بھی مال زکوٰۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب الصلاۃ عن من ترک دینا'' رقم الحدیث:۲۳۹۹ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "فأيما مومن مات وترك مالا فليرثه عصبته من كانوا ومن ترك دينا أو ضياعاً فليأتني فانا مولاه" جو مومن بھی انتقال کر جائے اور مال چھوڑ جائے تو اس کے جو وارثین ہیں وہی لوگ اس مال کے مالک ہونگے اور جو شخص قرض یا اولاد چھوڑ کر مرے تو اولاد کو چاہئے کہ میرے پاس آئے میں ان کا ولی ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مقروض فوت ہوا اور وہ پیچھے اتنا مال نہ چھوڑے جس سے قرض کی ادائیگی ممکن ہو تو اس کا قرض رسول اللہ ﷺ بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بیت المال میں زکوٰۃ کے اموال بھی جمع ہوتے تھے لہذا زکوٰۃ کے مال سے مقروض فوت شدہ آدمی کی طرف سے قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۷) فی سبیل اللہ:

فی سبیل اللہ سے اکثر علماء کے نزدیک جہاد اور مجاہدین وغازی مراد ہیں جبکہ متاخرین میں چند علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس میں غازی اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ وہ حضرات بھی داخل ہیں جو لوگ اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے جدو جہد کرتے ہیں اسی طرح دینی مدارس، تبلیغ واشاعت کے ادارے، دعوت وتبلیغ کرنے والی تمام تنظیمات وجمعیات، غرض یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جو بھی عمل کیا جائے سب کے سب فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں۔

واضح رہے کہ جہاد کی چار قسمیں ہیں مثلاً (۱) جہاد بالسیف (۲) جہاد باللسان (۳) جہاد بالقلم (۴) جہاد بالنفس۔

دینی مدارس، دین کی تبلیغ واصلاح اور اشاعت کے لئے جو ادارے تنظیمات یا جمعیات کام کر رہے ہیں وہ سب کے سب زبان وقلم کے ذریعہ جہاد بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ اس لئے مذکورہ ادارے بھی زکوٰۃ کے حقدار ہونگے۔

فی سبیل اللہ میں حج بھی شامل ہے جیسا کہ سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب العمرۃ رقم الحدیث:۱۹۸۹ میں بسند صحیح مروی ہے، لما حج رسول اللّٰه ﷺ حجة الوداع وكان لنا جمل فجعله أبو معقل فى سبيل اللّٰه واصابنا مرض وهلك أبو معقل وخرج النبى ﷺ ، فلما فرغ من حجه جئته فقال يا أم معقل ما منعك ان تخرجى معنا قالت لقد تهيانا فهلك ابو معقل وكان لنا جمل هو الذى نحج عليه فاوصى به ابو معقل فى سبيل اللّٰه قال فهلا خرجت عليه فان الحج فى سبيل اللّٰه۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ہمارا ایک اونٹ تھا، ابو معقل نے اسے اللہ کی

راہ میں وقف کر دیا تھا اس کے بعد ہم بیمار ہو گئے اور ابو معقل وفات پا گئے ادھر رسول اللہ ﷺ حج کے لئے روانہ ہو گئے اور پھر جب آپ حج سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی ، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام معقل تجھے ہمارے ساتھ حج میں جانے سے کس چیز نے منع کیا تھا ام معقل نے کہا کہ ہم نے پوری تیاری کر لی تھی لیکن میں نہ جا سکی اور ابو معقل آپ کے ساتھ حج سے واپس آنے کے بعد فوت ہو گیا۔ ہمارے پاس ایک ہی اونٹ تھا، اسی پر سوار ہو کر ہم حج کرنا چاہتے تھے لیکن ابو معقل نے اسے اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اسی پر سوار ہو کر حج کے لئے کیوں نہ نکلی؟ حج بھی فی سبیل اللہ ﷺ میں داخل ہے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور زکوٰۃ کے رقوم سے حج کرنا جائز ہے۔

(۸) ابن سبیل:

ابن سبیل سے مراد مسافر ہے اگر کوئی مسافر دوران سفر امداد کا مستحق ہو جائے مثلاً اس کا سامان چوری ہو گیا یا روپئے گم ہو گئے یا راستہ میں کوئی حادثہ ہو گیا گھر پہنچنے یا منزل مقصد تک پہنچنے کے ذرائع واسباب منقطع ہو گئے وغیرہ ایسے مسافر کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جائے اگر چہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

کیا آٹھوں مصارف میں زکوٰۃ صرف کرنا ضروری ہے؟:

زکوٰۃ آٹھوں مصارف میں صرف کرنا ضروری نہیں ان میں سے کسی ایک مصرف میں زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم" زکوٰۃ ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ رقم الحدیث:۱۳۹۵) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک ہی مصرف فقراء کا تذکرہ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آٹھوں مصارف میں سے صرف ایک مصرف میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔

محصل کو اگر کوئی ہدیہ دے تو اسے بھی بیت المال میں جمع کرنا ضروری ہے؟:

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ بعض اہل خیر محصل کو بطور تحفہ کپڑے، روپئے یا پائجامہ کرتا وغیرہ دیتے ہیں کیا محصل کے لئے ان آشیاء کا لینا جائز ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الحیل، "باب احتیال العامل لیھدی لہ" رقم الحدیث:۶۹۷۹ میں ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو قبیلہ بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنایا اس کا نام ابن اللتبیہ تھا جب وہ واپس آیا تو آپ نے اس کا حساب لیا تو انہوں نے کہا کہ "ھذا مالکم وھذا ھدیۃ" یہ آپ لوگوں کا مال ہے یعنی زکوٰۃ کا مال اور یہ ہدیہ ہے یعنی یہ مجھے تحفہ ملا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے یہاں تک کہ تمہارا یہ ہدیہ تمہارے پاس آجاتا پھر آپ نے خطبہ دیا اور حمد وثناء کے بعد فرمایا میں تم میں سے ایک کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہوں اور وہ صدقہ وصول کر کے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ تحفہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں

نہیں بیٹھا رہا پھر دیکھا جاتا کہ اس کو کون تحفہ دیتا ہے اللہ کی قسم کوئی اس مال میں سے اپنے حق کے بغیر کچھ بھی لے لے گا اس کو وہ قیامت کے دن اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوگا میں تم سے ہر اس شخص کو پہچان لونگا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے گا اور آواز کرے گا یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا اور وہ آواز کرے گی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا حتی کہ آپ کی بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا راوی کہتے ہیں کہ یہ فرماتے ہوئے آپ کو میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔

میت کی طرف سے صدقہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ان سعد بن عباده تو فيت امه وهو غائب عنها فقال يا رسول الله ﷺ ان امی توفيت وانا غائب عنهاأينفعها شئی ان تصدقت به عنها قال نعم قال : فانی أشهدك أن حائطی المخراف صدقة عليها"

سعد بن عبادہ کی ماں فوت ہوگئی اس وقت وہ غائب تھے گھر آ کر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول میری ماں فوت ہوگئی اس وقت میں غائب تھا اگر اس کی جانب سے میں صدقہ کروں تو میری ماں کو کوئی نفع ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا مخراف باغ میں نے میری ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ (صحيح بخاری كتاب الوصايا، باب اذا قال ارضی أو بستانی صدقة لله عن امی فهو جائز وان لم يبن لمن ذلك رقم الحديث:۲۷۵۶)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ صدقہ اور دعا کا نفع میت کو پہنچتا ہے اس میں علماء اہل السنّت والجماعت کا اجماع ہے۔ (تحفۃ الاحوذی:۳/۲۷۴)

مالدار اور کمانے کے قابل افراد پر زکوٰۃ حرام ہے:

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی" وفی رواية ولا لقوی مكتسب" کسی مالدار ،قوی الجسم صحیح سلامت اعضاء والے شخص اور کمانے والے کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے (سنن ابی داود ، كتاب الزكاة ، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى رقم الحديث:۱۶۳۴)

پانچ قسم کے مالدار افراد کے لئے صدقہ جائز ہے:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغاز فی سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدا ها المسكين للغنی "مالدار کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے مگر پانچ قسم کے مالدار کے لئے حلال ہے۔

(۱) فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا (۲) زکوٰۃ کا مال اکٹھا کرنے والا (۳) مقروض (۴) وہ شخص جو اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خرید لے (۵) وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو اور مسکین کو صدقہ کیا گیا ہو اور وہ اپنے مالدار پڑوسی کو اسے تحفہ دے دے۔ ☆

اسماء وصفات باری پر تدبر کے اثرات

نسیم اختر عبدالمجید سلفی
استاذ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ بہار

اللہ تعالی کے اسماء وصفات پر ایمان اسلامی عقیدے کا اہم جزء ہے۔ اسماء وصفات پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ عزوجل تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام صفات نقص سے منزہ اور مبرا ہے، اور وہ تمام اسماء وصفات جنہیں اللہ نے اپنے لیے بیان کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے بیان کیا ہے ان پر حقیقی طور پر ایمان رکھا جائے ان صفات کو مخلوق کی صفات کے مماثل نہ قرار دی جائے، نہ ان کی تعطیل کی جائے کہ مجرد اسم کو تو مانیں اور صفت کا انکار کر دیں، اور نہ ان کو ان کے اصلی معانی سے پھیرا جائے۔

اسماء حسنی کی تعداد:

اللہ رب العالمین کے اسماء حسنی متعین تعداد میں محصور نہیں، بلکہ بے شمار ہیں جن میں سے بعض سے ہمیں آگاہ کیا ہے اور بعض دوسرے اسماء کو اپنے علم کے ساتھ خاص کر رکھا ہے جیسا کہ دعائے ھم وغم میں ہے: "اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن أمتك ناصيتي بيدك ماض فيّ حكمك عدل فيّ قضاء ك أسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك أو أنزلته في كتابه أو علمته أحدا من خلقك أو استأثرت به في علم الغيب عندك أن تجعل القرآن ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي" (رواہ احمد: ۱/۳۹۱، وصححہ الألبانی) اے اللہ! میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، مجھ پر تیرا ہی حکم چل رہا ہے، میرے حق میں تیرا فیصلہ منصفانہ ہے، میں تجھ سے ہر اس نام کے وسیلے سے جو تو نے اپنے لیے رکھا ہے یا اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علم غیب میں محفوظ کر رکھا ہے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور اور حزن وملال کے ازالے کا سبب بنا دے"۔ اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نام بے شمار ہیں۔

اسماء وصفات کی معرفت:

اسماء وصفات باری تعالی پر آدمی تبھی ایمان لائے گا اور اس کے معانی پر تدبر کرے گا جب اسے ان کا علم ہوگا اور اسماء وصفات کی معرفت کا واحد مصدر نصوص شرعیہ ہے، لہذا ہم اللہ کو وہی نام دیں جو قرآن کریم اور سنت صحیحہ میں موجود ہو اور ایسے ناموں سے پرہیز کریں جو ان میں نہ پائے جائیں۔

اللہ کے اسماء وصفات پر ایمان کے مسلمان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جب بندہ رب تعالی کے اسما وصفات سے واقف ہوتا ہے تو علم کے ساتھ اس کی عبادت کرتا ہے، جب وہ اسماء حسنی کے معانی اور صفات جلالیہ وکمالیہ پر غور کرتا ہے تو اس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

آج ہمارا سماج مختلف مسائل سے دوچار ہے، ذہنی، فکری، اخلاقی انارکی عام ہے، اللہ کی عظمت دلوں سے مٹ چکی ہے، انسان گناہوں پر جری ہو گیا ہے، ضعیف الاعتقادی نے ہمارے قدم بری طرح ڈگمگا دیئے ہیں، ترقی کے راستے ہمیں مسدود نظر آتے ہیں، عبادت سے یکسوئی ختم ہو چکی ہے، بس ایک رسم ہے جسے ہم آنکھیں بند کیے ادا کیے جا رہے ہے، خالق ومالک سے تعلق کمزور ہو گیا ہے، ان

ساری بیماریوں کا علاج یہ ہے کہ مومن ومسلمان اپنے رب کو پہچانیں، اس کی لازوال سلطنت، بے نظیر قوت، بے انتہا رحمت، بے پناہ علم وادراک کو اپنے نہاں خانۂ دل میں بسائیں، اسی سے امیدیں وابستہ کریں۔

چنانچہ جب بندۂ مومن قرآن وحدیث میں وارد اسماء حسنی اور ان سے مشتق صفات الٰہی پر غور وفکر کی نگاہ ڈالتا ہے تو اس کے پیچیدہ مسائل کی گرہیں اک اک کر کے کھلتی جاتی ہیں، اس کی کشتی حیات پریشانیوں کے بھنور سے نکل کر ساحل نجات سے جا لگتی ہے، اس کے افکار وتصورات مثبت ہو جاتے ہیں اور ترقی اس کے قدم بوس ہوتی ہے، بطور مثال چند اسماء حسنی اور اس کے معانی پر غور کیجئے:

﴿والله بما تعملون عليم﴾ (البقرۃ:۲۸۳) ''اور تمہارے اعمال سے باخبر ہے'' میں صفت علم پر غور کرنے سے اللہ کی مراقبت ونگرانی کا تصور بندہ کے دل میں سما جاتا ہے، کوئی نازیبا حرکت کرتے ہوئے اسے حیا آتی ہے، اللہ سے انسیت بڑھ جاتی ہے، سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت اللہ کی معیت کا خیال اسے راحت واطمینان دلاتا ہے۔

اللہ کا ایک نام حفیظ ہے، جب بندہ صفت حفظ پر غور کرتا ہے تو اللہ کی حفظ وامان کا احساس ہوتا ہے اور زندگی کے ہر میدان میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے قدم بڑھاتا جاتا ہے، اسے ثبات واستقلال حاصل ہوتا ہے اور ہر قسم کی نحوست وبدفالی کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

اللہ کا ایک صفاتی نام غنی (بے نیاز) اور رزاق (روزی رساں) ہے ﴿والله هو الغني الحميد﴾ (فاطر:۱۵) اور ﴿إن الله هو الرزاق ذو القوة المتين﴾ (الذاریات:۵۸) جب بندہ صفات غنی (بے نیازی) اور رزاقی پر غور کرتا ہے تو اللہ کے پاس جو بے شمار خزانہ بے حساب رزق ہے اسے پانے کی چاہت دل میں انگڑائی لیتی ہے اور بندہ اسی کے در سے امید لگاتا ہے اور انسانوں کے پاس موجود چیزوں سے بے رغبت وبے نیاز ہو جاتا ہے، اب کسی کی دولت وثروت، مال ومنال دیکھ کر آہیں نہیں بھرتا، کسی کی ترقی دیکھ کر خار نہیں کھاتا اور دل سے حسد وبغض کینہ ختم ہو جاتا ہے، اور سماج میں پر امن بقائے باہم کی راہ کھلتی ہے۔

اللہ کے صفاتی نام سمیع وبصیر بھی ہیں: ﴿وهو السميع البصير﴾ (الشوری:۱۱) جب بندہ اللہ کی صفات سمع وبصر اور اس کے لامحدود ادراک واحاطہ پر غور کرتا ہے تو معصیت سے رک جاتا ہے، خفیہ وعلانیہ ہونے والے جرائم کی شرح کم ہو جاتی ہے، اطاعت الٰہی کی طرف رغبت وتوجہ پیدا ہوتی ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اجر دینے والا تو میری حرکات وسکنات کو دیکھ اور سن رہا ہے، دنیاوی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کی گرفت سے تو بچ سکتا ہے مگر جس ذات کے لیے کھلی اور ڈھکی چھپی سب برابر ہے اس سے تو نہیں بچ سکتا۔

اسی طرح اللہ کے صفاتی نام الجبار (زور آور) الملك (باشاہ) المكتبر (بڑائی والا) العظيم (عظمت والا) میں صفت جبروت، ملکوت، کبریا اور عظمت پر جب بندہ غور کرتا ہے تو اپنے خالق کی عظمت، جلالت شان اس کے دل میں بس جاتی ہے، پھر کائنات کے کسی جابر تاناشاہ کی جبروت وسختی بڑی سے بڑی مخلوق کی عظمت وبڑائی اس کی نگاہ میں نہیں ٹھہرتی، اللہ کے مقابلے میں ان سب کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے، حق گوئی وبے باکی اس کا امتیاز بن جاتا ہے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے دار ورسن کی سختیاں، اپنوں وبیگانوں کی ایذا رسانیاں اس کا راستہ روک نہیں سکتیں۔

یہی حال ہے دیگر اسماء حسنی اور صفات علیا کا کہ ان پر ایمان رکھنے والا اللہ سے حقیقی طور پر ڈرنے والا اور اس کی عبادت کرنے والا بن جاتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اسماء حسنی کے معانی ومفاہیم پر غور کریں اور ان کے حوالے سے اللہ سے دعا کریں، تاکہ ہماری عبادتوں میں لطف وسرور پیدا ہو، تعلق باللہ مضبوط ہو۔ اللہ تعالی ہم مسلمانوں کو اس کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔☆

صحافت کی اہمیت وضرورت

عبداللہ صابر

اکیسویں صدی ذرائع ابلاغ کی صدی ہے۔انسانی زندگی میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔کوئی بھی شعبہ اس کی اثر اندازی اور اجارہ داری سے پاک نہیں ہے۔مذہب،حکومت،سیاست،تجارت،معیشت،معاشرت،عدالت، صحت،جنگ اور تعلیم ہر میدان میں ذرائع ابلاغ کا تسلط ہے۔یہ ذرائع ابلاغ ہی کا کرشمہ ہے کہ پوری دنیا ''گلوبل ولیج'' میں تبدیل ہو کر ایک ڈرائنگ اور بیڈروم میں سمٹ گئی ہے۔ایک کمرے میں بیٹھ کر پوری دنیا کا نظارہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ جیسے جامِ جہاں نما کے وجود میں آنے سے تو پوری دنیا ایک چھوٹے سے ڈبے میں مقید ہوگئی ہے۔انسان اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق جب،جہاں اور جتنا چاہے دنیا کے طول وعرض کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔اخبارات،ریڈیو،ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ وغیرہ ذرائع ابلاغ کے اہم اور بنیادی ستون ہیں۔ساتھ ہی ای میل،ٹویٹر،اسکائپ،فیس بک،واٹس اپ،ٹیلی گرام اور انسٹاگرام کی اہمیت وافادیت دیگر ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں کسی بھی اعتبار سے کم نہیں ہے۔

میڈیا اپنی اثر انگیزی کے اعتبار سے مثل آگ ہے۔جس طرح آگ کے اندر جلانے اور روشنی پیدا کرنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں۔ٹھیک اسی طرح میڈیا کے اندر بھی یہی دو خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔میڈیا بذاتہ مثبت اور منفی دونوں کردار کا حامل ہے۔اس کے مثبت اور منفی کردار کا کلی انحصار اس پر قابض افراد کی ذہنیت پر ہوتا ہے۔اگر اس پر اچھے افراد قابض ہوں تو یقینی طور پر اس سے روشنی حاصل کر کے پوری دنیا کو اس سے منور کیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر اس پر غلط عناصر کا قبضہ اور غلبہ ہو تو اس کے ذریعہ ملک،سماج اور معاشرہ کو دہکتی آگ میں ڈھکیلا جا سکتا ہے۔موجودہ دور میں میڈیا سے آخر الذکر کام ہی سب سے زیادہ لیا جا رہا ہے۔اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں میڈیا پر اسلام دشمن عناصر یہودیوں اور عیسائیوں کا قبضہ ہے۔صلیبی جنگوں کے ذریعہ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دینا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔لہذا انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زمینی دوبدو اور اسلحہ جاتی جنگ ترک کر کے فکری جنگ کا آغاز کیا اور اس سلسلے میں میڈیا کو سب سے مؤثر اور کاری ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔عالمی پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بھی سازشیں کی جا رہی ہیں ان کی نشر واشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ یہی میڈیا ہے۔اسلام،پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کے سلسلے میں میڈیا کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔عالمی پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کی کردار کشی میں میڈیا نے ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک کردار ادا کیا ہے۔دشمنان دین میڈیا کے مؤثر استعمال سے مسلمانوں کے دین،ایمان اور گھروں میں نقب زنی شروع کر دی ہے۔دوسری طرف مسلمان یا تو خواب خرگوش میں مست ہیں یا پھر میڈیا کی حلت وحرمت کی جنگ میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! وہ قوم صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہوجاتی ہے جو اپنے آپ کو شریعت کے دائرے میں رکھتے ہوئے وقت اور حالات کے مطابق جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کرے۔ شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانے سے یا بے غیرت کی طرح مظلومیت کا رونا رونے سے نہ کسی قوم کا کبھی بھلا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ دنیا میں اسی قوم کو سربلندی حاصل ہوتی ہے جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

انسان کو اللہ وہی چیز عطا کرتا ہے جس کیلئے وہ محنت اور جدوجہد کرتا ہے۔ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان حوادث سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھے۔ تسخیر کائنات کی قوت رکھے۔ گفتار کا نہیں کردار کا غازی بنے۔ علم کے ساتھ عمل کی تصویر بنے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کا میڈیا کے تئیں مجرمانہ اور بزدلانہ غفلت ہی کا نتیجہ ہے وہ ہر جگہ ذلیل وخوار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حالات کا بہادری کے ساتھ سامنا کیا جائے۔ دشمنوں کے مقابلے کیلئے مضبوط منصوبہ بندی کیساتھ اپنے اندر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔

میڈیا کے تئیں مسلمانوں کی غفلت ولاپرواہی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ روس کی شکست وریخت کے بعد مغربی دنیا اسلام کو مغرب کی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ رہی ہے۔ وہ اس بات سے بھی خائف ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی خطے میں اسلام اپنی صحیح شکل ''کتاب وسنت'' کی بالادستی کے ساتھ نافذ ہوگیا تو کمیونزم کی مانند مغربی نظام حیات بھی ریت کا تودہ ثابت ہوگا۔ اسی خوف کی وجہ سے مغرب، دنیا کی تمام اسلام دشمن طاقتوں کو متحد کرکے اسلام کے مقابلے میں صف بستہ ہوگیا۔ مغرب اور اسلام کی اس جنگ میں انہوں نے میڈیا کو ایٹم بم کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس فکری جنگ میں مسلمان مکمل طور پر شکست سے دوچار ہوچکے ہیں۔ مغربی میڈیا نے اپنی منصوبہ بند نشریات کے ذریعہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کو فکری غلام بنالیا ہے وہیں دوسری طرف خوف ووحشت کا بھی شکار بنادیا ہے۔ یہ جسمانی غلامی کا دور نہیں بلکہ ذہنی اور فکری غلامی کا دور ہے، اور ذہنی غلامی جسمانی غلامی سے کہیں زیادہ بدتر اور خطرناک ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے خلاف میڈیا کے ظالمانہ حملے کو روکنا اور اس کا متبادل فراہم کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ ہمارے وجود اور بقاء کا مسئلہ ہے۔ اگر اب بھی ہم خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو تاریخ اور آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

میڈیا کو جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے، لیکن عصر حاضر میں یہ دیگر تین ستونوں کے بالمقابل کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے۔ یہ طاقت ور ہتھیار آج ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے پاس نہ ہمدرد دل ہے اور نہ مظلوموں کے غم میں آنسو بہانے والی آنکھ۔ میڈیا اپنی پوری طاقت تعمیر کے بجائے تخریب، اخلاق وکردار سنوارنے کے بجائے عریانیت وفحاشی، بے حیائی وبدکرداری پھیلانے میں صرف کررہی ہے۔

بچنا ہے پتھروں سے تو پتھر تلاش کر دشمن سے نمٹنا ہے تو خنجر تلاش کر
مشکل کا تیرے حل ہے مگر جستجو ہے شرط اپنی کتاب اپنا پیمبر تلاش کر

میڈیا کے فوائد:

جیسا کہ واضح کیا گیا کہ میڈیا سے خیر اور شر دونوں طرح کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کا استعمال صالح مقاصد کے حصول کے لیے کیا جائے تو اس کے دوررس نتائج اور غیر معمولی فوائد کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر برے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے تو دنیا میں اس سے مہلک اور بری چیز کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ دونوں طرح کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے میڈیا کے فوائد پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ میڈیا کے سلسلے میں ہماری سوچ مثبت ہو۔ اس لئے کہ مثبت سوچ ہی انسان کی زندگی کی بیش قیمتی سرمایہ ہے۔ کامیابی اور کامرانی کا راز اسی خوبی کے اندر پنہاں ہے۔

۱۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت

اسلام کی تبلیغ واشاعت ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ تبلیغ ایک عمل ہے اس کی انجام دہی کیلئے وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق جو سب سے مؤثر اور پرکشش طریقہ ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ روایتی اور فرسودہ طریقہ جو وقت اور حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہو بہت زیادہ بارآور اور فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ عصر حاضر میں میڈیا کے مختلف شعبوں کے ذریعے تبلیغ دین کا کام کم خرچ میں بہت ہی مؤثر طریقے سے بڑے پیمانے پر کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی صاف شفاف اور سچی تصویر مختلف زبانوں میں بیک وقت دنیا کے سامنے پیش کرنے کیلئے میڈیا سے بہتر کوئی ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علاقائی سطح پر دعوت دین کیلئے جمعہ کے خطبے، ہفتہ وار دروس، ماہانہ اجتماعات اور سالانہ جلسوں کی افادیت اپنی جگہ مسلم لیکن عام طور پر اس میں سامعین مسلمان ہوتے ہیں اور اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ بڑے پیمانے پر سرحدوں سے ماوراء مسلمانوں کے علاوہ دیگر قوموں میں بھی اگر دعوت کا کام کرنا ہے تو اس کیلئے میڈیا اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت مسلم ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے مذہب کی تبلیغ کے سلسلے میں غیر قومیں جن کا مذہب باطل اور تحریف شدہ ہے وہ ہم سے کئی گنا زیادہ متحرک وفعال نظر آتے ہیں۔ ایسے میں مسلمانوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کتاب وسنت کے صاف شفاف تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کیلئے مضبوط قوت ارادی کے ساتھ جدید انفارمیشن ٹکنالوجی سے لیس ہو کر میدان میں آئیں تا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکیں اور لوگوں کو گمراہی اور بدعقیدگی سے بچائیں۔

۲۔ دفاع اسلام:

اس وقت مذہب اسلام ہی سب سے زیادہ اغیار کے نشانے پر ہے۔ اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج مذہب اسلام ہے۔ پوری کافر دنیا اس کی ہمہ گیر تعلیمات کی اثر انگیزی سے گھبرائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہیکہ آئے دن دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر نت نئے حملے کئے جارہے ہیں۔ مذہب اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات عالمی پیمانے پر

پروپیگنڈہ کی شکل میں پھیلائے جارہے ہیں تاکہ لوگ مذہب اسلام سے برگشتہ ہوکر اس سے قریب بھی نہ آئے۔اگر چہ نتیجہ اس کے برخلاف برآمد ہورہا ہے۔ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کی بے بنیاد، جھوٹی اور فرضی کہانی سے لیکر ڈونالڈ ٹرمپ کے مسلمانوں کے سلسلے میں خطرناک عزائم اور زہریلے بیانات اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔دشمنان اسلام اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اندر شکوک وشبہات پھیلانے کیلئے اسلام کے نام پر انٹرنیٹ پر لاکھوں ویب سائٹس کے جال بچھا رکھے ہیں۔جن میں پھنس کر بہت سے مسلمان دین اسلام سے بدظن اور برگشتہ ہورہے ہیں۔ایسے میں میڈیا کے مؤثر استعمال سے مسلمان اسلام کا مضبوطی کے ساتھ دفاع کرسکتا ہے۔دشمنان اسلام کی سازشوں کا پردہ چاک کرسکتا ہے۔ان خطرناک عزائم کی بیخ کنی کرسکتا ہے۔اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔جو لوگ شکوک وشبہات کی بنیاد پر دین اسلام سے برگشتہ ہورہے ہیں انہیں واپس صراط مستقیم کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ظاہری بات ہے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ''جو طور ہے زمانے کا اسی طور سے بولو''۔اسلام کے خلاف عالمی پیمانے پر ہورہی سازشوں کی نقاب کشائی کیلئے وہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا جو دشمنوں نے اختیار کررکھا ہے اس سے کم میں خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوسکتے۔

۳۔بچوں کی تربیت:

عصر حاضر میں بچوں کی تربیت والدین کیلئے سب سے بڑا مسئلہ ہے۔بچے ذہن کے کچے ہوتے ہیں لہذا ان پر خصوصی توجہ بہت ضروری ہے۔میڈیا کے موثر استعمال سے بچوں کی دینی تربیت کا بہت بڑا کام ہوسکتا ہے۔ان کی ذہن سازی اور دینی تربیت کیلئے ''سمعی ومرئی'' پروگرامس کافی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ٹیلی ویژن چینلوں پر نشر ہونے والے کارٹوں پروگرامس بچوں میں کس قدر مقبول ہے یہ محتاج بیان نہیں ہے۔الحاد اور لادینیت کی طرف مائل کرنے کیلئے ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ پر لاکھوں کی تعداد میں ''اطفال پروگرام'' موجود ہیں۔بچے سب کچھ چھوڑ کر گھنٹوں ان پروگراموں دیکھنے میں مگن رہتے ہیں۔ظاہری بات ہے یہ تضیع وقت کے ساتھ ساتھ بچوں کے مستقبل اور کردار کیلئے مہلک ہیں۔یہ کارٹون پروگرامس بچوں کی غیر دینی کردار سازی میں غیر معمولی کردار ادا کررہے ہیں۔اگر اسی کی جگہ اسلامی چینل بچوں کیلئے دینی اور تربیتی پروگرامس پیش کرے جو بچوں کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر اسلام کے ساتھ محبت وجانثاری کا جذبہ بھی پیدا کرے تو یہ بہت بڑا ملی کام ہوگا۔

۴۔نوجوانوں کی دینی رہنمائی:

نوجوان کسی بھی قوم کا سب سے عظیم سرمایہ ہوتا ہے۔اگر یہ اچھے، تو قوم کی ترقی اور کامیابی کی گارنٹی لی جاسکتی ہے، اور اگر یہ بگڑ گئے تو پھر کوئی طاقت قوم کو تباہی سے بچا نہیں سکتی۔اس وقت امت مسلمہ کا یہ عظیم سرمایہ دیوانگی کی حد تک بے راہ روی کی شکار ہے۔ان کی حالت ہر اعتبار سے قابل رحم ہے۔گفتار، کردار، عادت واطوار، شکل وشباہت کوئی بھی چیز دین کے دائرے میں نہیں ہے۔میڈیا کے ذریعہ نوجوانوں کی بے راہ روی اور گمرہی کا ہر سامان وافر مقدار میں فراہم کیا جارہا ہے۔یہی وجہ

کہ یہ لوگ مخرب اخلاق اور حیا سوز پروگراموں کے یہ اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ایک لمحہ ان کے بغیر نہیں گذرتا۔ ایسے حالات میں امت کا یہ اجتماعی فریضہ ہے کہ ان کی رہنمائی کیلئے مناسب اور مؤثر قدم اٹھائے۔ چونکہ نوجوان طبقہ میڈیا سے سب سے زیادہ جڑا ہوا ہے لہذا میڈیا ہی کے توسط سے ان کی دینی رہنمائی کے لئے ایسے پروگرامز پیش کئے جائیں جس سے وہ بے راہ روی کا راستہ ترک کر اسلام کا جانثار اور قیمتی سرمایہ بن جائے۔ آوارگی، عریانیت اور فحاشی سے تائب ہو کر اسلامی زندگی کو ترجیح دے۔ اگر نوجوانوں کی تربیت کیلئے کوئی بہترین متبادل فراہم نہیں کیا گیا تو پھر اس قیمتی سرمایہ کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

۵۔خواتین کی دینی رہنمائی:

معاشرتی زندگی میں خواتین کا غیر معمولی کردار ہے۔ اگر خواتین دینی تربیت یافتہ ہوں، دینی فہم رکھتی ہوں اور ہر معاملے میں دین کو ترجیح دیتی ہوں تو گھر جنت نظیر بن جاتا ہے۔ عام طور پر گھروں میں بگاڑ اور فساد، عورتوں کی دینی عدم تربیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت ٹیلی ویژن پر خواتین کی وقت گذاری کیلئے جس طرح کے پروگرامز اور سیریل پیش کئے جاتے ہیں ان سے گھر کی تباہی کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح کے مخرب اخلاق سیریلوں کے اثرات سے خواتین نہ صرف فسادی بن جاتی ہیں بلکہ گھر کا چین وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے طلاق کی شرح میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اگر مسلمان میڈیا کے توسط سے خواتین کی تربیت کا بیڑہ اٹھائے، معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے اسلامی پروگرام کی نشر واشاعت کرے تو یقیناً حالات بدل سکتے ہیں اور گھریلو ماحول خوشگوار بن سکتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد اس کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اگر اسلامی نہج پر میڈیا کا استعمال ہو تو اس کے فیوض وبرکات کا احاطہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اختصار کے پیش نظر انہی چند بنیادی فوائد پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ میڈیا کے تمام شعبوں سے خاطر خواہ استفادہ کرتے ہوئے آڈیو، ویڈیو اور ٹکسٹ میسیجز کے ذریعہ بے شمار دینی کام کئے جاسکتے ہیں اور اس کے دوررس نتائج بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ شرط یہ کہ ہے خلوص دل سے اللہ کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کام کرے۔ بہت سے لوگ اس سمت میں کام کر رہے ہیں اور اس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہو رہے ہیں لیکن ان کا دائرہ کافی محدود ہے۔ یہ ایک ملی مسئلہ ہے اس میں کچھ سے کام نہیں چلے گا بلکہ ہر شخص کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے حسب استطاعت تعاون کرنا پڑے گا، تب جا کر کہیں انقلابی تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ کم خرچ میں تبلیغ دین، اصلاح معاشرہ، تربیت نوجوان کا بڑا کام کیا جاسکتا ہے۔ فیس بک، آرکٹ، ٹویٹر، واٹس اپ، ٹیلی گرام اور انسٹا گرام تو اب ہر ایک کے جیب میں ہر وقت رہتا ہے اور پابندی سے مشاہدہ بھی کیا جاتا ہے۔

میڈیا کے نقصانات:

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا کہ اگر ارباب ابلاغ چاہیں تو معاشرہ خیر اور نیکی کی خوشبو سے معطر ہو سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے موجودہ ذرائع ابلاغ عطار سے زیادہ بھٹی پھونکنے والے لوہار کا کردار ادا کر رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ سے معاشرہ کو فوائد سے

زیادہ نقصانات حاصل ہورہے ہیں۔ذرائع ابلاغ نے سب سے پہلا اور کاری حملہ دینی اقدار پر کیا۔یہ میڈیا ہی کی کرشمہ سازی ہے مسلم معاشرے میں بے دینی کا ڈیرہ ہے۔ذرائع ابلاغ نے انسان کے اندر سے احساس گناہ بالکل ختم کردیا ہے۔انسان احساس ندامت اوراحساس ملامت سے بالکل عاری ہو چکا ہے۔گناہوں کی سنگینی کا تصور دل پر طاری ہی نہیں ہوتا۔اس کی منفی کردار کی وجہ سے انسان ذہنی مریض اور ڈپریشن کا شکار ہو چکا ہے۔زندگی میں امیداورخواہش نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔اشتہار بازی کی وجہ سے انسانی ضرورتیں غیر محدود ہوگئیں ہیں جبکہ وسائل محدود ہیں ایسی صورت میں ڈپریشن کا شکار ہونا فطری بات ہے۔معاشرہ میں جرائم کی کثرت بھی اسی میڈیا کی دین ہے۔بالخصوص نوجوانوں میں جرائم کے رجحان میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔جرائم کے تذکرے سنتے سنتے انسان خوداس کا شکار ہوجاتا ہے۔شرم وحیااورعفت وعصمت کی ردا کوتارتار کرنے میں میڈیا نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔اسباب فحاشی کی کثرت اورفروغ کی وجہ سے نظریں آوارہ ہو چکی ہیں۔خواتین کی عزت وآبرو کہیں بھی محفوظ نہیں ہے۔نوجوان لڑکیاں اداکاراؤں کی میک اپ زدہ خوبصورتی کی نقالی میں شرم وحیا کی ساری حدیں پھلانگ رہی ہیں۔غیر اخلاقی ٹی وی سیریل اور موبائل فون کی آزادی کی وجہ سے والدین سے بغاوت اور فرار کی شادیوں میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔گھریلو جھگڑوں اور خاندانی انتشار میں بھی میڈیا کا نمایاں کردار ہے۔ٹیلی ویژن کی وجہ سے بچوں کی نفسیات پر منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں۔نقصانات کی فہرست مزید طویل بنائی جاسکتی ہے لیکن ان ہی چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ میڈیا اپنے تمام تر نقصانات اور مضر اثرات کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں آگئی ہے۔جن ہاتھوں میں اس کی نکیل ہے وہ خود انسانیت اور شرافت کے دشمن ہیں۔ایسے میں میڈیا کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت مسلمانوں کیلئے مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔میڈیا کی اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے اکبرالہ آبادی کا شعر" گرتوپ مقابل ہوتواخبار نکالو پر عمل کرنا پڑے گا۔اس کے نقصانات کے کاٹ کیلئے اسی میں فوائد کے پہلو کو غالب کرنے کیلئے انتھک جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔صرف گلا پھاڑ پھاڑ کر میڈیا کی مذمت کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ متبادل پیش کرنے کی راہ پر گامزن ہونا پڑے گا۔عالم اسلام کے سامنے مغربی میڈیا کا متبادل فراہم کرنا سب سے بڑا چیلنج ہے،ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہم صرف مذمت ہی کرتے رہ جائیں گے اور پورا معاشرہ میڈیا کا اسیر بن چکا ہوگا۔میڈیا کی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک جامع پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت ہے ساتھ ہی ایسے افراد تیار کرنے کی ضرورت ہے جو انفارمیشن ٹکنالوجی کے ماسٹر ہوں اوراپنے پروگراموں کے ذریعہ تعمیری جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میڈیا کا صحیح استعمال ہو،غلط دروازوں کو بند کیا جائے اوراسلام کی نشرواشاعت کیلئے مؤثر اقدام کئے جائیں توان شاءاللہ ملک وملت اورقوم ومعاشرہ میں خیر کی راہیں کھلیں گی اوراس کے فیوض وبرکات ظاہر ہوں گے۔ایسے پروگراموں کی کثرت سے ضرورت ہے جواصلاح وتطہیر کے اسلامی تعلیم وتربیت کوفروغ دیں۔اللہ مسلمانوں کومیڈیا کی افادیت سمجھتے ہوئے متبادل اسلامی میڈیا کے قیام کی اوراس کے مثبت ومؤثر استعمال کی توفیق دے۔مسلمانوں کواس کی بے راہ روی اورنقصانات سے محفوظ رکھے۔ ☆☆

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل

عبدالغفار جلیسری
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

اسلام ایک آفاقی دین، مستقل تہذیب اور مکمل نظام زندگی کا نام ہے جو انسانی زندگی کی بقاء اور تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، جس کی تعلیمات امن وسلامتی کی پیکر اور سسکتی ہوئی انسانیت کے درد کی دوا رکھتی ہیں۔ اسلام کی جہاں بے شمار تعلیمات ہیں ان میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ طلاق جیسی قبیح بیماری سے کس طرح بچا جائے۔

انسانی معاشرے کی بنیاد خاندان ہے اور یہ مرد وزن کے ملاپ یعنی نکاح کے ذریعہ ہی وجود میں آتا ہے، اسی لیے اسلام مرد وعورت کو نکاح کے بندھن میں بندھنے کی تلقین کرتا ہے اور عریانیت فحاشی و بے حیائی کے تمام دروازوں کا سد باب کرتا ہے۔

اسلام مردوں کو حکم دیتا ہے کہ "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء" (متفق علیہ)

ترجمہ: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو باءۃ کی استطاعت رکھتے ہوں یعنی جسمانی اور مالی دونوں قوت رکھتے ہوں انھیں چاہیے کہ نکاح کرلیں، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو چاہیے کہ روزہ رکھیں اس لیے کہ یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔

نکاح کے بندھن میں بندھنے کے بعد مرد وعورت کی ازدواجی زندگی شروع ہوتی ہے جس میں مرد کے عورت پر اور عورت کے مرد پر کئی حقوق وارد ہوتے ہیں۔ ہم معاشروں کا جائزہ لیں تو دیگر اخلاقی گراوٹوں کے ساتھ ساتھ عورت کی کمزور اور بدترین حیثیت آنکھوں کے سامنے نظر آتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرد عورت کے حقوق کی کما حقہ پاسداری نہیں کرتا جبکہ ازدواجی رشتے کو استحکام دینے اور خوش گوار بنانے کے لیے خاوند کو عورت کے حقوق کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے، اسی طرح بیوی پر بھی خاوند کے کئی حقوق وارد ہوتے ہیں، اگر زوج وزوجہ ان حقوق کا خیال رکھیں جن کو اسلام نے ایک دوسرے پر عائد کیا ہے تو ان کی زندگی میں ہمیشہ بہار کا سماں رہے گا اور غم کی خزاں سے دور رہے گی، میاں بیوی کو چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خامیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کریں، مزید یہ کہ دونوں بیک وقت غصے کا مظاہرہ نہ کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ تیز گفتاری اور سختی سے پیش نہ آئیں، نکتہ چینی اور بدخوئی سے اجتناب کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کی حفاظت کریں، چنگاری کو شعلہ بنانے کی کوشش نہ کریں اور معاملے کو فوراً رفع دفع کریں۔

اگران تمام حقوق کی پاسداری کی جائے تو گھران شاءاللہ خوشیوں سے مہکتا رہے گا، یہی تمام چیزیں حسن معاشرت کہلاتی ہیں۔

لیکن اگراز دواجی زندگی میں کسی طرح کی دراڑ آجائے اورمیاں بیوی کے درمیان نباہ ممکن نہ ہوتواس کا حل خلع وطلاق نہیں ہے جوآج معاشرے کے اندرروا ج پذیر ہے کہ معمولی معمولی باتوں پرطلاق دے دینایاعورت کاخلع لے لینا،اسلام ان تمام چیزوں سے روکتا ہےاورطلاق کی نوبت آنے سے قبل مردوعورت کو چنداحکام کا پابند بناتا ہے جن کے ذریعے اس قبیح بیماری سے بچاجاسکتا ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مردوعورت ہرحال میں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہیں اوران کے درمیان دوری کا کوئی سبب پیدا نہ ہواس لیے کہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے،ارشادنبوی ہے: ان أعظم الذنوب عند الله رجل تزوج امرأة، فلما قضى حاجته منها طلقها وذهب بمهرها" (رواہ حاکم والبیہقی ،حسن: صحیح الجامع الصغیر:۱۵۶۳)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور جب اس سے اپنی حاجت پوری کرلے تواسے طلاق دے دےاورمہر بھی ہڑپ کرجائے۔

قارئین کرام!اگرزوجین میں سے کوئی،ایک دوسرے کی کسی خصلت یاعادت کوناپسند کرتا ہوتواسے چاہیے کہ وہ اس کی کسی دوسری عادت کی وجہ سے اسے پسند کرے یہ طلاق سے بچنے کا پہلا زینہ ہے،فرمان الٰہی ہے: ﴿وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا﴾ (سورۃالنساء:۱۹)

ترجمہ:ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو،گوتم انھیں ناپسند کرولیکن بہت ممکن کہ تم ایک چیز کو برا جانو اوراللہ تعالی اس میں بہت ہی بھلائی کردے۔(جونا گڑھی)

اورحدیث شریف میں ہے: "لا يفرك مؤمن مؤمنة ان كره منها خلقا رضي منها آخر" (رواہ مسلم: ۳۶۴۵،کتاب الرضاع،باب الوصیۃ بالنساء)

ترجمہ:مومن مرد(شوہر)مومنہ عورت(بیوی)سے بغض نہ رکھے،اگراس کی ایک عادت ناپسند ہےتواس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہرانسان کے اندر جہاں کوئی خامی ہوتی ہے وہیں اس کے اندرکوئی خوبی بھی ضرور ہوتی ہے، یہ اللہ رب العالمین کی ایک حکمت ہے کہ شوہراگر بیوی کوطلاق دینا چاہے یابیوی خلع لینا چاہےتو کسی ایک بری خصلت کی وجہ سے طلاق نہ دے بلکہ اس کی اچھی خصلت کی طرف متوجہ ہواورگھر کو برباد ہونے سے بچائے، یہ حقیقت ہے کہ عورت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے جس طرح ریڑھ کی ہڈی کوسیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تووہ ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح اگرعورت کومکمل

سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے اور اس کا ٹوٹنا طلاق ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر بیوی نافرمانی یا بری خصلت پر قائم رہے تو شوہر کو چاہیے کہ اسے سمجھانے کی کوشش کرے پھر بھی اگر باز نہ آئے تو اس کے بستر کو الگ کردے، اگر یہ طریقہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو اسے ہلکی سی مار مار دے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا إن الله كان عليا كبيرا﴾ (سورۃ النساء:۳۴)

ترجمہ: جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو تو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انھیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالی بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔ (جونا گڑھی)

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا". (صحیح: صحیح سنن ترمذی، کتاب الرضاع:۱۱۷۹)

ترجمہ: اگر عورتیں کوئی بے حیائی کا کام کریں تو انھیں ان کے بستروں میں چھوڑ دو اور انہیں ہلکی مار کی سزا دو، اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر ظلم وزیادتی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔

سابقہ آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:

''نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ ونصیحت کی ضرورت ہے، دوسرے نمبر پر ان سے عارضی علیحدگی کی جائے، جو سمجھدار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے، اس سے بھی نا سمجھے تو ہلکی سی مار کی اجازت ہے، لیکن یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو، جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے، اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے ظلم کی اجازت کسی کو نہیں دی ہے، اگر وہ اصلاح کرلے تو پھر راستہ تلاش نہ کرے یعنی مار پیٹ نہ کرے، تنگ نہ کرے اور طلاق نہ دے''۔ (تفسیر احسن البیان)

گزشتہ باتوں (وعظ ونصیحت، بستر الگ کرنا، ہلکی مار کی سزا) کے بعد بھی معاملہ درست نہ ہو اور اختلاف شدت اختیار کرجائے تو ایسی صورت میں اسلام کا چوتھا حکم یہ ہے کہ ایک منصف، مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک عورت کے گھر والوں کی جانب سے مقرر کرکے صلح کرانے کی کوشش کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليما خبيرا﴾ (النساء:۳۳)

ترجمہ: اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرادے گا، یقیناً اللہ تعالی پورے علم

والا، پوری خبر والا ہے۔ (جونا گڑھی)

اس آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:

''گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے (وعظ ونصیحت، بستر الگ کرنا، اور ہلکی مار کی سزا) کارگر ثابت نہ ہوتو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حکمین (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔

قارئین کرام! یہ چاروں طریقے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے رشتے میں جب نباہ دشوار ہوجائے تو اسلام کی ان حکیمانہ تدبیروں پر عمل کیا جائے قبل اس کے کہ طلاق دیا جائے یا خلع کی نوبت آئے، طلاق نکاح کی گرہ کو کھول دینے کو کہتے ہیں، مختلف ادیان ومذاہب میں طلاق کا تصور الگ الگ رہا ہے، لیکن اسلام ہی وہ واحد ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جس سے خاندان تباہ ہونے سے بچ سکتا ہے، کم سن بچوں کو تحفظ حاصل ہوسکتا ہے، خواتین در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ سکتی ہیں اور گھر، خاندان کے ساتھ ساتھ معاشرے میں امن وسلامتی کی فضا قائم ہوسکتی ہے۔

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیوں کہ آج معاشرے کے اندر کتنے ایسے گھر ہیں جو بکھر چکے ہیں یا جو بکھرنے کے دہانے پر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر غصے کا شکار ہوتے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور اس حق کو ناجائز طریقے سے استعمال کرتا ہے جس کے سبب اپنی زندگی بھی برباد کرتا ہے ساتھ ہی ساتھ بیوی اور بچوں کی زندگی کو بھی اجیرن بنادیتا ہے۔

شوہر اگر مذکورہ بالا طریقوں کو اپنالے تو اس کی زندگی میں ان شاء اللہ کبھی طلاق کی نوبت نہیں آئے گی۔ شوہر کو چاہیے کہ بے حیائی وعصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو، تو جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر وبرداشت سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے اس میں کوئی خیر پیدا کردے یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالی اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے وغیرہ وغیرہ۔

افسوس ہے کہ مسلمان ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی بات پر اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں، جس سے اغیار کی نظروں میں اسلام کی شبیہ بگڑ جاتی ہے کہ اسلام نے شوہر کو ظلم کرنے کا اختیار دیا ہے، حالانکہ اسلام ظلم سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتا ہے، اسی لیے اسلام نے مسلمانوں کو ان اسلوب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ بعد میں شوہر کو افسوس نہ ہو اور حلالہ جیسے حرام جرم کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

سوشل میڈیا نے معاشرتی واسلامی اقدار تباہ کیا: امام حرم مکی ڈاکٹر سعود الشریم

امام حرم عالی مقام ڈاکٹر سعود الشریم حفظہ اللہ نے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا کہ سوشل میڈیا نے جہاں ایک طرف عوام الناس میں بیداری اور شعور کے فروغ میں معاونت کی ہے، وہیں اس کا دوسرا رخ انتہائی تاریک ترین اور تباہ کن بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اس کی وجہ سے اسلامی اور معاشرتی روایات تباہ و برباد ہو رہے ہیں، انھوں نے مزید فرمایا کہ مال و دولت اور جدید آلات و وسائل بھی اللہ رب العالمین کی نعمتیں ہیں، تاہم ان کا غلط استعمال معاشرے اور اسلامی روایات و اقدار کے لیے تباہ کن ہے۔

جدید ابلاغی آلات و وسائل نے پوری دنیا کو ایک بستی میں تبدیل کر دیا ہے، چنانچہ ان وسائل کی مدد سے ہم اپنے اقارب سے دور ہونے کے باوجود رابطے میں رہتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود اس کے منفی پہلو نے نوجوان نسلوں کے دل و دماغ اور بصارت و سماعت ہر چیز پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اور ہم اپنی مذہبی و دینی اور معاشرتی روایات کو فراموش کرتے جا رہے ہیں، خطبۂ جمعہ میں انھوں نے مسلمانوں پر تقوی اختیار کرنے، اللہ اور رسول کی اطاعت میں زندگی گذارنے کو اپنا شعار بنانے پر زور دیا۔ (مکہ نیوز آن لائن)

سعودی علماء کونسل کے لیے نئی حکمت عملی کا اعلان:

سعودی عرب کے مفتی اعظم، ریسرچ و افتاء کونسل کے چیئرمین اور سعودی عرب کے علماء بورڈ کے سربراہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے سعودی علماء کونسل کی تین نکاتی نئی حکمت عملی کا اعلان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علماء کونسل علمی تکنیکی اور ابلاغی میدان میں ہی اپنی توجہ مرکوز کرے گی۔ واضح ہو کہ علماء کونسل کے ایک اعلی سطحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے الشیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے کہا کہ نئی حکمت عملی سے علماء کونسل اپنے طے شدہ اہداف و مقاصد کے حصول تک پہنچنے میں کامیاب رہے گی، انھوں نے انکشاف کیا کہ علماء کونسل کو معاشرے کے تمام طبقات اور ہر عمر کے افراد سے جامع مذاکرات شروع اور عوامی رابطے بڑھانے پر زور دیا گیا ہے، کونسل کے پروگرام میں تکنیکی پہلو سے جدت لانے کی وجہ سے ادارے کی کارکردگی مزید بہتر ہوگی۔

اخبار الریاض کے مطابق مفتی اعظم نے فورم الریاض میں گفت و شنید کرتے ہوئے مسلم امت اور عرب ممالک کو درپیش چیلنجز بالخصوص داعش اور القاعدہ جیسی دہشت گرد تنظیموں کی طرف سے لاحق خطرات سے بھی خبردار کیا۔ سعودی مفتی اعظم الشیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے کہا کہ فرقہ وارانہ ملیشیاؤں کی تشکیل کے ذریعہ عرب ممالک کے قوی اور سماجی دھاروں میں فرقہ واریت کے بیج بوئے جا رہے ہیں، دشمن عرب ممالک میں آبادیاتی تبدیلی کی مذموم سازشوں کو آگے بڑھا کر فرقہ ورانہ خانہ جنگیوں کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ (مکہ نیوز آن لائن) ☆

اخبار جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

تعلیمی کمیٹی کے ساتھ محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ کی میٹنگ:

۳؍فروری ۲۰۱۷ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ کی صدارت میں ایک میٹنگ ہوئی، جس میں تعلیمی کمیٹی کے اراکین اور دیگر بعض اساتذہ کرام حفظہم اللہ نے شرکت فرمائی۔ میٹنگ میں نظام تعلیم وتربیت کو مزید مستحکم ومعیاری اور بہتر سے بہتر بنانے کے تعلق سے محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے شرکائے میٹنگ سے رائے ومشورہ طلب کیا۔ کافی غور وخوض اور باہمی تبادلۂ خیال کے بعد درج ذیل تجاویز پاس کیے گئے:

(۱) جامعہ کی سنٹرل لائبریری تعلیمی اوقات کے علاوہ بعد نماز عصر تا مغرب اور بعد نماز مغرب تا نماز عشاء کھلا کرتی تھی، لیکن چونکہ نماز عصر کے بعد کا وقت طلبہ کے کھیل کود اور ضروریات کے لیے جامعہ سے باہر جانے کا ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ بعد نماز عصر تا مغرب کے بجائے لائبریری نماز عشاء کے بعد سردی کے موسم میں رات دس بجے تک اور گرمی کے موسم میں رات گیارہ بجے تک کھولی جائے تاکہ طلبہ کو لائبریری سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے۔

(۲) جامعہ کے گیٹ کے نظام کو مستحکم کیا جائے اور وہاں چوکسی بڑھائی جائے، آنے جانے والے پر کڑی نظر رکھی جائے اور بغیر اجازت کے کسی باہری کو قطعی اندر آنے نہ دیا جائے۔

(۳) مدرسہ زید بن ثابت کے لیے جہاں شعبۂ حفظ اور مرحلہ متوسطہ کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کا مستقل انتظام ہے، وہاں مستقل طور پر ایک متحرک ومستعد نگراں مقرر کیا جائے تاکہ دیکھ ریکھ صحیح ڈھنگ سے ہو اور وہاں کی تعلیم وتربیت میں مزید بہتری آئے۔

(۴) جامعہ کے تمام شعبوں کا ایک جامع اور ٹھوس نظام العمل (قوانین وہدایات) تحریری طور پر ہو جس کی روشنی میں ہر شعبہ کے مسئول وذمہ دار اپنی ذمہ داری ادا کریں گے۔

مقامی اراکین جامعہ کے ساتھ ناظم اعلی حفظہ اللہ کی نشست:

محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ کی طلب پر ۹؍فروری ۲۰۱۷ء بروز جمعرات دفتر نظامت میں جامعہ کے تعلیمی وتربیتی نظام اور شعبۂ مالیات کو بہتر بنانے کے تعلق سے ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں جامعہ کے مقامی اراکین (شیخ شاہد جنید سلفی صاحب/صدر جامعہ، شیخ احسن جمیل مدنی صاحب/رکن جامعہ، شیخ عبیداللہ ناصر صاحب/رکن جامعہ، عالی جناب محمد سالم صاحب وعالی جناب حامد حلمی صاحب حفظہم اللہ) نے شرکت فرمائی۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ۳۰-۳۱/ مارچ ۲۰۱۷ء بروز بدھ وجمعرات دوروزہ علمی اجتماع میں طے شدہ پروگرام کے مطابق مختلف مادوں

(عقیدہ، تفسیر وعلوم تفسیر، حدیث وعلوم حدیث، فقہ واصول فقہ، تاریخ وسیرت) کا نصاب ومنہج تعلیم جو مرتب کیا جارہا ہے، اسے جلد از جلد حتمی شکل دیا جائے اور آئندہ تعلیمی سال سے نافذ کیا جائے۔ واضح رہے کہ عقیدہ، تفسیر واصول تفسیر، حدیث وعلوم حدیث، فقہ واصول فقہ اور تاریخ وسیرت کا نصاب اور منہج تعلیم کا خاکہ تیار ہو چکا ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

(۲) جامعہ کے شعبۂ مالیات کو مضبوط کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے جماعت کے متمولین ومخیّرین اور معاونین حضرات کو جامعہ کی مالی حالت سے باخبر کیا جائے اور ان سے تعاون حاصل کیا جائے، نیز طلبۂ جامعہ کی سالانہ فیس میں مناسب اضافہ کیا جائے۔

(۳) جامعہ میں طلبہ کے درمیان جو سالانہ تقریری وتحریری مسابقے ہوتے ہیں، ان پر مزید توجہ دی جائے۔ انہیں اور منظّم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی تیاری منصوبہ بند طریقے سے ہو، تاکہ بروقت ان کا انعقاد عمل میں آئے۔

ہفتہ واری انجمنوں میں عناوین کی تعیین:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں پانچ شعبوں (خطابت، صحافت، دارالکتب، دارالاخبار، لجنۃ الثقافہ) پر مشتمل طلبہ کی ایک انجمن ''ندوۃ الطلبہ'' کے نام سے قائم ہے۔ شعبۂ خطابت کو جامعہ میں ایک مستقل مادہ کی حیثیت حاصل ہے، جس کی ہر سال سولہ (۱۶) نشستیں منعقد ہوتی ہیں جن میں طلبۂ جامعہ، اساتذہ کرام حفظہم اللہ کی نگرانی میں ہر پندرہ (۱۵) دن پر اردو وعربی زبان میں تقریر کی مشق کرتے ہیں۔ اب تک عناوین کی تعیین وانتخاب اختیاری ہوا کرتا تھا۔ طلبہ اپنی پسند واختیار اور صوابدید سے عناوین منتخب کرتے تھے اور اس کی روشنی میں تقریر کی مشق کرتے تھے، لیکن اس سال ششماہی امتحان کے بعد سے خطابت کی اہمیت وافادیت کو بڑھانے کے لئے محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ نے ہدایت فرمائی کہ ہفتہ واری انجمن میں تقاریر کے عناوین اختیاری نہ ہوں بلکہ ہر مرحلہ (فضیلت، کلیہ، عالمیت، ثانویہ) کے لئے الگ الگ ایک مناسب عنوان کی تعیین ہو اور جس مرحلہ کے لئے جو عنوان متعین ہوگا اس مرحلہ کے تمام طلبہ اسی متعین کردہ عنوان کے تحت تقریر کرنے کے مکلّف ہوں گے۔ عناوین کی تعیین وانتخاب ندوۃ الطلبہ کے سپرد کیا گیا۔ ندوۃ الطلبہ کی ذمہ داری ہوگی کہ انتخاب کردہ عناوین کو شیخ الجامعہ حفظہم اللہ کی نظر ثانی ومنظوری کے بعد ہفتہ کے شروع میں اعلان کردے۔ واضح رہے کہ ۲؍فروری ۲۰۱۷ء جمعرات کے دن ہی سے اس پر عمل شروع ہوگیا۔ اللہ تعالی اسے کامیابی سے ہم کنار کرے۔

☆☆☆

تبصرہ

نام کتاب: **اردو صحافت اور علماء**
نام مصنف: سہیل انجم
رابطہ: 09818195929
صفحات: ۲۹۵
قیمت: ۳۸۰/روپے
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی-۶
سن طباعت: ۲۰۱۶ء
مبصر: ناظر انور-۲۲۵، نرمدا ہاسٹل، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

اردو صحافت کے حوالے سے سہیل انجم کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ان کے مضامین اور کالم مختلف اخبارات ورسائل میں برابر چھپتے رہتے ہیں۔متنوع موضوعات پر مبنی ان کی تحریں گہری سیاسی اور سماجی بصیرت کی حامل ہوتی ہیں۔ساتھ ہی یہ تحریریں اپنے صحافتی دائرے میں صرف ہنگامی سیاسی اور سماجی معاملات کی خبر نگاری اور ایک سرسری رائے زنی تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ ان کا ایک خاص علمی اور فکری سروکار انہیں ایک وقار عطا کرتا ہے اور انہیں معاصر صحافتی کارگزاری میں ممتاز بناتا ہے۔سہیل انجم کی وابستگی عملی صحافت کے ساتھ صحافت کی تاریخ، تہذیب اور اس کے نظری معاملات سے بھی رہی ہے۔انھوں نے کئی کتابیں صحافت، اس کی تکنیک، طریقہ کار اور نئے زمانے میں صحافت اور ترسیل کے بدلتے ہوئے رویوں کے حوالے سے لکھی ہیں۔

حال ہی میں ان کی ایک نئی کتاب ''اردو صحافت اور علماء'' منظر عام پر آئی ہے۔کتاب کے نام سے ہی بڑی حد تک موضوع کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو صحافت کو اس کی بلندیوں تک پہنچانے اور ترقی یافتہ بنانے میں علماء کرام کی صحافتی خدمات کا ایک اہم کردار رہا ہے۔انھوں نے وطن عزیز کو فرنگیوں سے آزاد کرانے میں اپنی تحریروں کے ذریعہ قوم کو متحد کیا اور ملک کے طول وعرض سے اخبارات، رسائل اور جرائد کا اجرا کیا۔ان کے توسط سے ہی ہندوستانیوں کو ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا۔علماء کا اخبارات کے اجرا کرنے کا اولین مقصد ملک کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی حالات سے قوم کو آگاہ کرنا تھا تاکہ وہ ملک کے نازک ترین حالات سے مکمل واقفیت کے بعد صحیح سمت میں فیصلے کر سکے۔مولانا محمد علی جوہر نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ''میں نے صحافت پیسہ کمانے کے لیے اختیار نہیں کی بلکہ ملک وملت کی خدمت کے لیے، میں رہنما ہوں رہزن نہیں''۔علماء کرام کی صحافتی وابستگی کا یہ وہ سیاق ہے جس سے ان کی صحافتی خدمات اپنا ایک انفراد قائم کر لیتی ہیں۔ان کی نظر میں ان کا عہد تھا، اس کے حالات تھے اور اس کی ضرورتیں تھیں۔وہ بے خوف وخطر لکھتے تھے۔ان کی اس صحافتی ایمانداری نے ان کے لیے مشکلیں بھی پیدا کیں۔ان کے اخبارات بند کیے گئے، انہیں جیل بھیجا گیا اور مختلف قسم کی مشقتوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ اپنے مشن میں لگے رہے۔اب تک کوئی ایسی کتاب تحریر نہیں کی گئی تھی جو علماء کرام کی صحافتی خدمات اور ان کی

حصولیابیوں کو پوری ایمانداری کے ساتھ موضوع بنائے۔ سہیل انجم نے اس موضوع کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اسے بہت سنجیدگی سے لیا ہے اور پوری علمی اور تحقیقی دیانتداری کے ساتھ تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تیار کی ہے۔

سہیل انجم نے ابتدائیہ میں سبب تالیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''راقم الحروف کو 'اردو صحافت کے فروغ میں علماء کا کردار' پر ایک سیمینار میں مقالہ پڑھنے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ اس موضوع کی تیاری کے لیے راقم نے جب پڑھنا شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ علماء کرام نہ صرف یہ کہ اردو صحافت کے قافلہ سالاروں میں شامل رہے ہیں بلکہ انھوں نے اس سلسلے میں بڑی قربانیاں بھی پیش کی ہیں، نیز ان میں سے بہت سے علماء ایسے بھی ہیں جن کو زمانہ نے فراموش کر دیا ہے اور ان کی قربانیاں امتداد زمانہ کے ساتھ بھلا دی گئی ہیں۔ لہٰذا راقم نے اس چیلنج کو قبول کیا اور وسیع و مربوط انداز میں کام کرنے کا فیصلہ کیا''۔

اس کتاب میں ۳۸ علماء کرام کے صحافتی سفر کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، نیز ان کے اخبارات، رسائل و جرائد اور پیدائش و وفات کی تفصیل بھی پیش کی گئی ہے۔ جن علماء کرام کا ذکر اس کتاب میں ہے ان میں بہت سی ایسی عظیم ہستیاں بھی ہیں جن کے تذکرے کے متعدد حوالے ہیں (مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا امداد صابری، مولانا محمد علی جوہر، علامہ راشد الخیری، مولانا عبدالماجد دریابادی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحلیم شرر اور علامہ نیاز فتح پوری) لیکن بیشتر مقامات پر ان کے تذکرے میں ان کی صحافتی خدمات کے اہم ترین گوشے چھوٹ جاتے ہیں۔ سہیل انجم کی اس کتاب کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں ان علماء کی صحافتی زندگی کے تمام گوشوں پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

اس کتاب کا پیش لفظ بزرگ صحافی حفیظ نعمانی اور مقدمہ بزرگ ادیب ڈاکٹر فیروز دہلوی نے تحریر کیا ہے۔ مصنف نے جن علماء کرام کی صحافتی خدمات کا ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ان میں مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا امداد صابری، تاجور نجیب آبادی، مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم، مولانا حامد الانصاری غازی، علامہ راشد الخیری، سعید احمد اکبر آبادی، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عامر عثمانی، عبدالباقی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا عبدالماجد دریابادی، عبدالمجید سالک، مولانا عبدالوحید صدیقی، مولانا عبدالسلام بستوی، عبداللہ عمادی، مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا عمر دراز بیگ، غلام رسول مہر، ماہر القادری، مولوی مجید حسن، مولوی محبوب عالم، مولانا محمد باقر، مولانا محمد عثمان فارقلیط، مولانا محمد علی جوہر، محمد مسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، معراج الدین احمد، نصر اللہ خاں عزیز اور علامہ نیاز فتح پوری وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں مصنف نے ''علماء کی صحافتی خدمات'' کے عنوان سے ایک جامع اور مفید مضمون تحریر کیا ہے جس میں تقریباً پچاس سے زائد صحافیوں اور ان کے اخبارات و جرائد کا ذکر ہے۔ اس مضمون میں بالخصوص ان علماء کرام کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے جو اکثر مقامات پر بھلا دیئے جاتے ہیں۔ جن میں مولوی کریم الدین کا ماہنامہ ''گل رعنا''، مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کا ماہنامہ ''اشاعت السنہ''، ''ہمدرد اہل حدیث''، مولانا داؤد غزنوی کا ہفت روزہ ''توحید''، دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کا ماہنامہ ''مجلّہ سلفیہ''، دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا ماہنامہ ''محدث'' (ایڈیٹر مولانا نذیر احمد رحمانی املوی)، مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کا پندرہ روزہ اخبار ''اخبار محمدی'' اور مولانا عبدالجلیل خاں کا ماہنامہ ''صحیفہ اہلحدیث'' وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سہیل انجم نے علماء کرام کی صحافتی خدمات کو رقم کر کے اسلاف کے نایاب اور قیمتی ورثہ کو امانت کی شکل میں نئی نسل کے حوالے کر دیا ہے نیز صحافت کے حوالے سے تحقیق کی راہ بھی کھول دی ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔☆

باب الفتاوی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:

جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب دے کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

جہیز کے معنی تیار کئے سامان کے آتے ہیں جو معاشرے میں لڑکی والوں کی طرف سے شادی میں دیئے جاتے ہیں اور عموماً اس کا ثبوت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے لیا جاتا ہے حالانکہ جہیز کا یہ ثبوت سراسر اور بالکل غلط ہے نیز یہ تصور اور خیال آنحضور ﷺ نے اپنی لخت جگر بیٹی حضرت فاطمہ کے نکاح میں فلاں فلاں سامان جہیز کے طور پر عنایت فرمایا تھا ہرگز ہرگز درست نہیں ہے۔ شادی سے پہلے رشتہ کی بات چیت کے وقت لڑکے والے کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ کرنا خواہ جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کی صورت میں ہو یا نقدی اور مختلف سامان کی صورت میں ہو اور رشتہ کی منظوری کو اس پر معلق وموقوف کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اسی طرح سے لڑکی والوں کی طرف سے پیش قدمی کرتے ہوئے لڑکے والوں سے یہ کہنا کہ اگر آپ رشتہ منظور کرلیں تو ہم جہیز میں نقد اور فلاں فلاں اشیاء دیں گے، سراسر غلط اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ اس لین دین کی رسم کا نام چاہے جو بھی رکھا جائے یہ شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱- ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطابق عمل کرنا اور زندگی کے تمام معاملات میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: ﴿لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة﴾ (الاحزاب:۳۱) یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوۂ حسنہ عملی نمونہ ہے جس کی پیروی اور اتباع واقتدا سب کے لئے ضروری ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے تمام افعال ختنہ، عقیقہ، منگنی اور شادی وغیرہ کی تقریبات کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے انجام دیا ہے لیکن ان کے ایام ہائے زندگی میں یہ رسومات ومطالبات ہمیں کہیں نہیں ملتے۔ الغرض شرع میں اس کا وجود تک نہیں ہے۔

۲- ہر مسلمان کے لئے شریعت مطہرہ میں شادی کے موقع پر یا رشتہ طے کرتے وقت یا شادی کے بعد لڑکی والوں پر کسی قسم کا بوجھ وخرچ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ سارا بوجھ لڑکے پر رکھا گیا ہے، اسی لئے شوہر کو قرآن مجید میں قوام کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم﴾ (النساء:۳۴) یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالی نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے

کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے۔

اس آیت اور اس معنی ومفہوم کے دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نان ونفقہ اور مہر وغیرہ تمام اخراجات مرد کے ذمہ ہیں تو لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی مال ومتاع کا مطالبہ شریعت کی منشا کے خلاف ہے۔

۳-خلاف شرع ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی ومعاشرتی طور پر اس کے بہت سارے نقصانات ہیں۔ عام طور پر غریب لوگوں کی بیٹیوں کا نکاح جہیز نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا اور جوان لڑکیاں اسی طرح گھر میں بیٹھ کر اپنی عمر برباد کر دیتی ہیں اور کئی لڑکیاں نکاح نہ ہونے کے باعث مختلف جرائم کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے معاشرے پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ مروجہ جہیز کی رسم ہندو مذہب سے آئی ہے۔ ہندو مذہب میں لڑکی کو والدین سے وراثت نہیں ملتی اس لئے لڑکے والے چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو جس شکل میں بھی ہو لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ مال ومتاع حاصل کیا جائے اس لئے وہ شادی کے موقع پر مذکورہ مطالبہ کرتے ہیں اور لڑکی والے بھی ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہیں یا پورا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ انہی کے دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنی بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرتے ہیں حالانکہ وراثت کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور قرآن مجید نے اسے حدود اللہ کہا ہے اور اسے ادا کرنے پر عظیم کامیابی کی خوشخبری سنائی اور وراثت سے محروم کرنے پر ہمیشہ جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿تلك حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعدد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾ (النساء:۱۳-۱۴) یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس کو وہ جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

یہ اور اس معنی ومفہوم کی دیگر نصوص صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کو ادا کرنا اللہ کے حدود میں سے ہے جو لوگ جہیز دینے کے نام پر وراثت کی ادائیگی نہیں کرتے ہیں وہ اللہ کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے ابدی جہنم کی وعید ہے اور جہیز ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ چور دروازے سے وراثت سے محروم کرنا ہے جو کسی صورت میں درست نہیں۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆